عالمی مجلس تحفظ ختم نبوة کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوة

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

قیمت ۱۰ روپے

جلد:۳۳ | ۱۵ تا ۲۲ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۸ تا ۱۵ دسمبر ۲۰۱۴ء | شمارہ:۴۶

حضرت مولانا فضل الرحمٰن پر قاتلانہ حملہ

تحقیقات التواء کا شکار کیوں؟

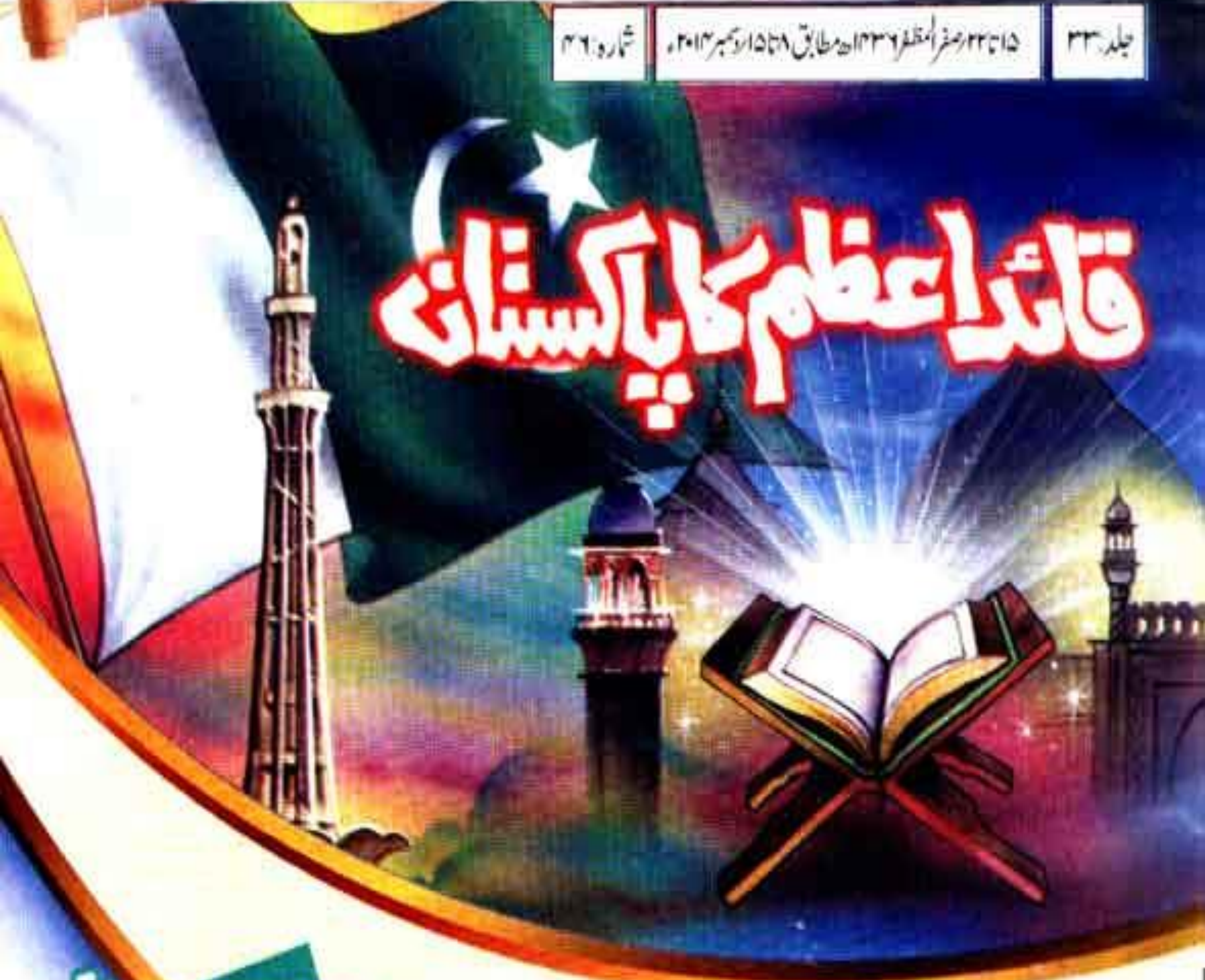

قائد اعظم کا پاکستان

تہذیب نو کا نیا پیغام

مرزائی اپنے آپ کو احمدی کیوں کہتے ہیں؟

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
http://www.khatm-e-nubuwwat.com
Email: editorkn@yahoo.com

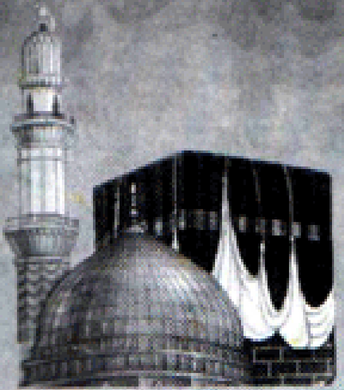

آپ کے مسائل

مولانا اعجاز مصطفیٰ

خالو اور بہنوئی سے پردہ کا حکم

ابوالحسن، کراچی

س:...... محترم مفتی صاحب میرا سوال یہ ہے کہ کیا شریعت اسلام میں خالو اور بہنوئی سے بھی دیگر نامحرموں کی طرح مکمل پردہ کرنا لازمی ہے یا کوئی رعایت ہے؟ نیز میرے ایک خالو جو کہ عالم دین بھی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ: جب خالو کے نکاح میں خالہ اور بہنوئی کے نکاح میں بہن موجود ہو تو جب اس صورت میں خالو اور بہنوئی سے نکاح جائز نہیں تو پھر پردہ کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ محترم مفتی صاحب! کیا میرے خالو کی یہ بات درست ہے؟ قرآن و سنت کی رو سے جواب عنایت فرمائیں۔

ج:...... واضح رہے کہ خالو اور بہنوئی بھی دیگر غیر محرموں کی طرح ہی غیر محرم ہیں، لہٰذا ان سے بھی شرعاً پردہ کرنا ضروری ہے۔ قرآن و سنت کی رُو سے صرف محرم حضرات پردہ سے مستثنیٰ ہیں، ان کے علاوہ باقی سب لوگوں سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خواہ وہ رشتہ دار ہو یا غیر ہو۔ باقی پردہ ضروری نہ ہونے پر یہ دلیل دینا کہ خالہ اور بہن چونکہ نکاح میں ہیں" اس وجہ سے خالو اور بہنوئی" سے نکاح جائز نہیں تو پردہ بھی ضروری نہیں بالکل اسی طرح لغو اور بے کار ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ تمام شادی شدہ عورتوں کا پردہ کرنا ضروری نہیں، کیونکہ اپنے شوہروں کے نکاح میں ہوتے ہوئے کسی غیر مرد سے اُن کا نکاح جائز نہیں تو پردہ بھی ضروری نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بیوی کا حق مہر ادا کرنا

عمران شیخ عظیمی، کراچی

س:...... میری بیوی کا حق مہر پچاس ہزار روپے عندالطلب ہے، میں اپنی بیوی کو اپنی حیات میں اس کا یہ حق اپنی مرضی اور خوشی سے ایک پلاٹ کی صورت میں دینا چاہتا ہوں، شرعاً اس طرح کرنا جائز ہے؟ اس وقت اس پلاٹ کی قیمت حق مہر کے تین گنا ہے۔

ج:...... واضح رہے کہ حق مہر بیوی کا شرعی حق ہوتا ہے، اگر وہ معاف نہیں کرتی تو شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی ہر حال میں لازم اور ضروری ہوتی ہے اور اگر وہ معاف کرنا چاہے تو کر بھی سکتی ہے، اسی طرح اگر شوہر اپنی مرضی اور خوشی سے مقررہ مقدار سے زیادہ دینا چاہے تو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر سائل اپنی بیوی کو مقررہ حق مہر مبلغ پچاس ہزار روپے کے عوض مذکورہ پلاٹ دینا چاہے تو دے سکتا ہے بشرطیکہ آپ کی بیوی اس پر راضی ہو، خواہ پلاٹ کی قیمت مقررہ حق مہر سے کم ہو یا زیادہ، نیز جب شوہر پلاٹ بیوی کے قبضہ میں دیدے گا تو یہ ان کی ملکیت ہو جائے گی، اس میں کسی کو دعویٰ کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا، نہ ہی شوہر کی زندگی میں اور نہ ہی ان کے وفات کے بعد، سائل کی بیوی اس میں مکمل تصرف کرنے کی حقدار ہوگی، سائل کے بہن بھائیوں یا دیگر عزیز و اقارب کا اس میں کسی قسم کے تصرف کرنے کا شرعاً حق نہیں بنے گا۔

کتے کے شر سے بچنے کے لئے

مسز رشید، کراچی

س:...... راستے میں ملنے والے کسی کتے کو اگر "من قطمیر" کہہ کر قسم دی جائے تو وہ آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا، کیا یہ بات درست ہے؟

ج:...... اگر کسی نے تجربہ کیا ہو تو بعید نہیں کہ کسی کتے کو "من قطمیر" کہہ دیا جائے تو وہ نقصان نہ پہنچائے۔ بہرحال اصحاب کہف کے کتے کا نام "قطمیر" تھا۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ آیت الکرسی میں لفظ "ولا یؤدہ" پڑھ کر دم کیا جائے تو نقصان نہیں پہنچاتا۔ بہرحال یہ سب تجربات ہیں، قرآن و حدیث میں ایسی کوئی ہدایت نہیں ہے۔

ہفت روزہ ختم نبوۃ

مجلس

مجلس ادارت

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری — صاحبزادہ مولانا عزیز احمد

علامہ احمد میاں حمادی — مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

مولانا قاضی احسان احمد

جلد:۳۳ — ۱۵ تا ۲۲ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ مطابق ۸ تا ۱۵ دسمبر ۲۰۱۴ء — شمارہ:۴۶

سرپرست

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر مدظلہ

مدیراعلیٰ

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیراعلیٰ

مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر

عبداللطیف طاہر

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ

منظور احمد میو ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر

محمد انور رانا

تزئین وآرائش

محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

بنیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

خطیب پاکستان قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ

مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ

فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ

مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ

ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ

جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

حضرت مولانا سید انور حسین نفیس الحسینیؒ

مبلغ اسلام حضرت مولانا عبدالرحیم اشعرؒ

شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ

شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

اس شمارے میں!

حضرت مولانا فضل الرحمٰن پر حملہ کی تحقیقات....	۳	مولانا اللہ وسایا مدظلہ
قائداعظم کا پاکستان	۶	مولانا محمد صدیق مدظلہ
حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینیؒ	۹	مولانا عبدالمجید لدھیانوی
باتیں ان کی یاد رہیں گی (۲)	۱۱	مفتی محمد راشد ڈسکوی
تہذیب نو کا نیا پیغام (۱)	۱۳	مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
مرزائی اپنے آپ کو ''احمدی'' کیوں کہتے ہیں؟	۱۸	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
جناب محمد نذیر کی قبول اسلام کی سرگزشت (۶)	۲۱	منصور اصغر راجہ
تحریک ختم نبوت.... آغاز سے کامیابی تک (۸)	۲۳	سعود ساحر
مولانا شجاع آبادی کے دعوتی وتبلیغی اسفار (۲)	۲۱	ادارہ

زرتعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۵ ڈالر، یورپ، افریقہ: ۷۵ ڈالر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۶۵ ڈالر

فی شمارہ ۱۰ روپے، ششماہی: ۲۲۵ روپے، سالانہ: ۴۵۰ روپے

WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT, A/c# 0010010964680019

(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK68ABPA0010010964680019

AALMI MAJLIS TAHAFFUZ KHATM-E-NUBUWWAT 0010010964710018

(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK45ABPA0010010964710018

Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.

لندن آفس:

35.Stockwell Green

London. SW9 9HZ U.K

Ph:0207-737-8199

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان

فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶، ۰۶۱-۴۵۸۳۴۸۶

Hazori Bagh Road Multan

Ph:061-4583486, 061-4783486

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)

ایم اے جناح روڈ کراچی، فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷، ۳۴۲۳۴۴۷۶ فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰

Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)

Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi

Ph:32780337, 34234476 Fax:32780340

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری — مطبع: القادر پرنٹنگ پریس — طابع: سید شاہد حسین — مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

ادارہ

مولانا اللہ وسایا مدظلہ

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب پر

حملہ کی تحقیقات التوا کا شکار کیوں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

وطن عزیز میں علماء کرام اور مدارس دینیہ کے طلباء کے قتل کا جو ایک سلسلہ چل نکلا ہے وہ انتہائی حیران کن بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ گزشتہ چند برسوں میں کراچی تا خیبر اور پنجاب تا بلوچستان بے شمار علماء حق کی نعشیں اور مدارس دینیہ کے طلباء کا لہو بہتا نظر آیا۔ اب تک جتنے علماء کرام اور مدارس دینیہ کے اساتذہ کو نشانہ بنایا گیا ان تمام میں ایک قدر مشترک ہے: وہ سب بلا کے ذہین، سمجھدار اور باصلاحیت تھے۔ ان کا عوامی رابطہ نہایت مستحکم تھا۔ معاشرے کی نبض پہ ان کا ہاتھ تھا۔ امن و سکون اور حب الوطنی کے پرزور داعی تھے۔ عوامی گفتگو کے ماہر اور ذہن سازی میں طاق تھے۔ یہ حضرات دن دہاڑے کسی اندھی گولی کا نشانہ بنے۔ لیکن ان کی موت کے بارے میں کوئی تحقیقات ہوئیں نہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی طرف سے سنجیدگی کا مظاہرہ کیا گیا۔ نہ کبھی قاتلوں تک رسائی حاصل کی گئی اور نہ ان علماء کے قتل کے پیچھے سازشوں کو بے نقاب کیا گیا۔ بس حکومتی اہلکاروں کی طرف سے مذمت اور ہمدردی کے دو بول اور کچھ عرصہ بعد ایک اور نعش، ایک نیا حادثہ اور وہی مذمتی بیانات۔ اس المیے کی تازہ مثال قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب ہیں جن پر کوئٹہ میں مفتی محمود کانفرنس کے موقع پر بم دھماکہ ہوا۔ مگر اللہ کے فضل و کرم سے مولانا محفوظ رہے۔ اس واقعہ کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ کیونکہ مولانا صاحب عصر حاضر میں امت مسلمہ کے لئے بہت بڑا اثاثہ ہیں۔ پرامن جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں۔ استعمار کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ اسلام اور پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں کو بے نقاب کرتے رہتے ہیں۔ ہمیشہ آئین اور قانون کی بات کرتے ہیں۔ سیاست کے مے خانے میں جہاں پگڑیاں اچھلتی ہیں اور کردار داغدار ہوتے ہیں، مولانا بے داغ اور شفاف کردار کے حامل ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی پارٹی ملک کی سب سے بڑی مذہبی سیاسی جماعت ہے۔ جس کا دینی، ملی اور سیاسی کردار ہر دور میں مسلم رہا ہے۔ کافی عرصے سے وطن عزیز میں اسلام کے نفاذ کی باوقار، پرامن اور غیر مسلح جدوجہد کر رہی ہے۔ غیر سنجیدہ پارٹیوں کی طرح دھرنوں اور احتجاجوں کے ذریعے نظام کو تلپٹ کر کے غیر آئینی تبدیلی کی نہ کبھی کوشش کی ہے نہ حمایت۔ ہمیشہ بیلٹ اور پارلیمانی نظام کا خیال اور لحاظ کیا ہے۔

۲۰۱۱ء میں حضرت مولانا پر ۲۴ گھنٹوں میں صوابی اور چارسدہ میں پے درپے دو خودکش حملے ہوئے۔ کئی جانیں تلف ہوئیں۔ مگر مجال ہے کہ کوئی اینٹ بھی ہو یا چڑیا پھڑکی ہو۔ اسی طرح حالیہ بم دھماکہ جس میں تین افراد شہید جب کہ متعدد زخمی ہوگئے۔ حیرت کی بات ہے ایک پارٹی کے سربراہ کے ساتھ اتنا بڑا سانحہ ہوا لیکن ان کے پارٹی ورکروں نے کیسے ضبط کا بندھن تھامے رکھا۔ انہوں نے کسی گاڑی، رکشے کو آگ نہیں لگائی۔ کوئی دکان نہیں جلائی۔ کوئی روڈ بلاک نہیں کیا۔ عوام اور سرکار کی املاک کو نقصان نہیں پہنچایا۔ کسی مخالف پارٹی کے دفتر پر پتھراؤ نہیں کیا۔ کسی راہ گیر کو ڈنڈوں کا نشانہ نہیں بنایا۔ کسی پولیس والے یا سرکاری اہلکار پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ کسی کو بلاثبوت ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ اگر ردعمل دکھایا تو صرف اتنا کہ مولانا نے فرمایا: ''اگر ملکی ادارے مجھے پاکستانی سمجھتے ہیں تو حملے کی تحقیقات کریں۔'' اور کارکنوں نے پرامن احتجاج کیا۔ پھر بھی لوگ کہتے ہیں کہ مذہبی لوگ شدت پسند ہیں۔ بنیاد پرست ہیں۔ آپ ذرا تصور کریں اگر یہ حملہ کسی دوسری پارٹی کے سربراہ پر ہوتا اور ان کے ۳ کارکن شہید اور متعدد زخمی ہو جاتے تو ملک کا کیا حشر ہوتا، ملک والوں کا کیا حشر ہوتا؟؟؟

ہم حکومتی اہلکاروں سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ غیر ذمہ دارانہ اور جانب دارانہ رویہ ترک کریں۔ مولانا پر حملے کے واقعے کو محض ایک حادثہ نہ سمجھیں۔ آخر وہ کون سی قوتیں ہیں جو اپنے مقاصد و اہداف کے راستے میں مولانا کو رکاوٹ سمجھتی رہیں؟ افغانستان سے بوریا بستر گول کر کے واپس پلٹنے والی طاغوتی قوتوں کی اس خطے میں منصوبہ بندی سے صرف نظر کرنا زیادتی ہے۔ عرب اور دیگر مسلم ریاستوں میں شیعہ سنی فسادات اور پاکستان میں اس کو درآمد کرنے والے ادارے صرف مولانا فضل الرحمن نہیں بلکہ اتحاد و اتفاق کے داعی اور وحدت امت کے علمبردار جملہ علماء کرام کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے مولانا پر ہونے والے حملے کو معمول کی ایک واردات سمجھنا ناانصافی اور عاقبت نااندیشی ہے۔ حکومت کو اپنی غیر ذمہ داری، جانب داری، بے حسی اور غفلت والی روش ترک کر کے اس صورتحال کو کنٹرول کرنا ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں سوچ کر بھی لرز جاتا ہوں، کرب و اذیت کا شکار ہو جاتا ہوں کہ خدانخواستہ اب مولانا ہمارے بیچ نہ ہوتے تو......

صد شکر کہ خدا نے ملک کو بہت بڑے صدمے سے بچالیا:

تم سلامت رہو ہزار برس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

بلوچستان میں ہوا کچھ یوں کہ جمعیت علماء اسلام نے ۲۳ را کتوبر ۲۰۱۴ء کو کوئٹہ میں بہت بڑی سطح کی کانفرنس کا اعلان کر رکھا تھا۔ قائد جمعیت حضرت الامیر مولانا فضل الرحمن دامت برکاتہم ایک روز قبل کوئٹہ تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا عبدالواسع صاحب مدظلہ کے ہاں آپ کا ظہرانہ تھا، وہاں پر ہی قیلولہ کیا۔ عصر کے بعد حضرت حافظ حسین احمد صاحب کے مدرسہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں سے قاری میر محمد صاحب کے مدرسہ میں تشریف لے گئے، جہاں طلباء میں بخاری شریف کی پہلی حدیث شریف پر درس دیا۔ وہاں سے فارغ ہوئے تو مولانا حسین احمد شرودی کی والدہ مرحومہ کی تعزیت کے لئے ان کے گھر حاضری دی۔ غرض ظہر سے رات گئے تک پورے کوئٹہ میں آزادانہ پھرتے رہے۔ ہر جگہ بھرپور محبتوں بھرا استقبال ہوتا رہا۔ لوگوں کی نیازمندی اور محبت کے جذبات سے لگ رہا تھا کہ کل ۲۳ را کتوبر کو بھرپور جلسہ ہوگا۔ چنانچہ اگلے روز بھرپور اور مثالی جلسہ عام ہوا۔ جلسہ گاہ سے بالکل قریب میں آپ کی رہائش تھی۔ وقت مقررہ پر آپ جلسہ گاہ میں تشریف لائے، بیان ہوا۔ آپ کے بیان کے بعد ابھی قرار دادیں، جمعیت میں شمولیت کرنے والوں کے اعلانات کا مرحلہ باقی تھا۔ لیکن آپ تقریر ختم کرتے ہی گاڑی میں سوار ہو کر جلسہ گاہ سے چل دیئے۔ دو گاڑیاں آگے تھیں، دو پیچھے تھیں۔ ابھی ایک آدھ موڑ مڑے ہوں گے کہ آپ کی گاڑی کے قریب بم بلاسٹ ہو گیا۔ بم بلاسٹ گاڑی کی سائیڈ پر ہوا تھا۔ گاڑی کی حالت ناقابل دید نی ہو گئی۔ چاروں سمت اندھیرا، بدبو، مٹی کے بادل چھا گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اتنا سخت اور زوردار دھماکہ تھا کہ مجھے اتنا شدید دھچکا لگا اور بازو پر دباؤ پڑا کہ ایک دفعہ تو خیال ہوا کہ بازو ٹوٹ گیا ہے۔ لیکن ہاتھ کی انگلیوں کو ہلایا تو اندازہ ہوا کہ بازو سلامت ہے۔ گاڑی کے اندر بو، دھواں دیکھا تو خیال گزرا کہ کہیں گاڑی کو نیچے سے آگ نہ لگ گئی ہو۔ یہ تاثر بھی ایک لمحہ بعد غلط ہو گیا کہ صرف بعض تاروں میں دھواں ابھرا تھا۔ گاڑی کی باڈی شدید متاثر ہوئی، لیکن انجن کا نظام درست رہا۔ ڈرائیور نے پھٹے ٹائروں، ٹوٹی اور پچکی باڈی کے باوجود گاڑی چلانے میں دیر نہ کی۔ پھسلتے رینگتے گاڑی رہائش گاہ پر آ گئی۔ جلسہ گاہ میں سامعین نے دھماکہ کی آواز سنی تو پورا اجتماع دھاڑیں مارتا گاڑی کے پیچھے دوڑنا شروع ہوا۔ رہائش گاہ قریب تھی۔ وہاں پہنچے تو گاڑی کے تین دروازے پچک کر جام ہو گئے۔ ڈرائیور سائیڈ کا دروازہ کھول پایا۔ ساتھیوں نے اس دروازے سے آپ کو نکالا۔ باہر تشریف لائے۔ ساتھیوں کی جان میں جان آئی۔ واقعی مارنے والوں سے بچانے والا طاقتور ہے اور اللہ اکبر ہے۔

العظمة لله ولرسوله! یہ تمام تفصیلات خود حضرت مولانا نے ارشاد فرمائیں، جب ''عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا وفد امیر مرکزیہ حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب دامت برکاتہم کے حکم پر ملاقات و اظہار عقیدت و ہمدردی کے لئے اسلام آباد آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا، جس میں مرکزی ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمن جالندھری مدظلہ، مرکزی نائب امیر مولانا صاحبزادہ عزیز احمد مدظلہ، مرکزی خازن مولانا اللہ وسایا مدظلہ، مرکزی ناظم اطلاعات ونشریات مولانا عزیز الرحمن ثانی اور راولپنڈی کے رہنما مولانا قاضی ہارون الرشید شامل تھے۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دامت برکاتہم جرأتوں کے نشان، اہل حق کے میر کارواں ہیں۔ ان کے دم قدم سے علماء کرام کی شان، مدارس کی آن اور دینی جماعتوں کا بھرم قائم ہے اور انشاء اللہ! یہ قائم رہے گا۔ حق تعالیٰ آپ کو سلامت باکرامت رکھیں۔ آمین ثم آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

قائداعظم کا پاکستان!

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق مدظلہ

آج کل ایک جماعت مغرب اور روس سے متاثر ہے وہ اس ملک کو سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کررہی ہے اور نظریہ پاکستان کی نفی کر رہی ہے۔ امریکہ، برطانیہ، روس، انڈیا اور غیر مسلم حکومتیں اس کوشش میں ہیں کہ پاکستان سے نظریہ اسلام ختم کیا جائے۔ مذہب سے آزاد حکومت قائم ہو، نوجوان مرد وزن کو کسی مذہب کا پابند نہ کیا جائے۔ مغربی، آوارگی، فحاشی، عریانی اور بے راہ روی کو عام کیا جائے۔ اس پر ضروری ہوا کہ عوام کو نظریہ پاکستان سے روشناس کرایا جائے اور قائداعظم کا پاکستان کیا تھا؟ اس کی حقیقت ظاہر کی جائے۔

نظریہ پاکستان...... قیام پاکستان کا محرک دو قومی نظریہ تھا:

دو قومی نظریہ کا مطلب:...... برصغیر میں ایک قوم آباد نہیں، بلکہ ہندو، مسلمان یعنی مسلم اور غیر مسلم دونوں قومیں آباد ہیں جو بالکل جداگانہ تشخص کی حامل ہیں۔ ان کی پیدائش، وفات، شادی بیاہ، کھانا پینا اور لباس جدا جدا ہیں۔ یہاں تک کہ دونوں کے مقتداء یکسر مختلف ہیں۔ لہٰذا لیڈر ربانی پاکستان نے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کے لئے ایک خطہ زمین ہو جس میں وہ انفرادی، اجتماعی زندگی گزار سکیں۔

پاکستان کی اول تجویز:

تجویز حضرت تھانویؒ:...... دل یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر اسلامی حکومت قائم ہو، بیت المال ہو، نظام زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں، دوسری قوموں سے مل کر یہ نتائج کب حاصل ہو سکتے ہیں؟ اس مقصد کے لئے صرف مسلمانوں کی جماعت ہونی چاہئے اور اسی جماعت کو یہ کوشش کرنی چاہئے۔ (سیرت اشرف، ص ۵۰)

علامہ اقبال مرحوم کی تائید:

حالات بد سے بدتر ہو رہے تھے۔ انگریزوں کے ساتھ ہندو مل کر مسلم کش فسادات کر رہے تھے۔ ان حالات سے مجبور ہو کر علامہ اقبالؒ نے بھی ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو قوم کو بھی مشورہ دیا جو جون ۱۹۲۸ء میں حضرت تھانویؒ نے دیا تھا۔ چنانچہ علامہ مرحوم نے فرمایا کہ میں ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے لئے ایک منظم اسلامی ریاست کا مطالبہ کر رہا ہوں، کیونکہ یہ امر کسی طرح مناسب نہیں کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کیے بغیر ہندوستان میں مغربی جمہوریت کا نفاذ کیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں کا مطالبہ کہ ہندوستان میں ایک اسلامی ہندوستان قائم کیا جائے بالکل حق بجانب ہے۔ (خطبہ صدارت الٰہ آباد) گویا کہ مجدد وقت کی غیبی تائید اس دور کے عظیم شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے بھی کردی۔ چنانچہ حکیم اختر مرحوم فرماتے ہیں: میرے سامنے آل انڈیا مسلم لیگ کا سب سے بڑا اجتماع ہوا جس میں میں نے خود شرکت کی تھی اور اس میں یہ قرارداد پاس ہوئی کہ مسلمانوں کے لئے الگ خطہ بنانا چاہئے۔

اس کے بعد اعظم گڑھ میں مسلم لیگ کا سب سے بڑا اجتماع ہوا جس میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تمام بڑے بڑے لوگ شامل ہوئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا حسرت موہانی، نواب زادہ لیاقت علی خانؒ مسٹر جناح بھی موجود تھے۔ مسلمانوں کے لئے الگ خطہ پر تقاریر کی گئیں۔

مولانا محمد علیؒ جوہر کا استعفیٰ:

سیاست کے احوال اس وقت بدلے جب گاندھی نے مسلمانوں کی پرواہ کیے بغیر سول نافرمانی شروع کردی۔ مسلمانوں کی غیرت نے جوش کھایا۔ اوائل ۱۹۳۰ء میں جب گاندھی نے مسلمانوں کی ضرورت محسوس نہ کی تو ۱۹۳۰ء کے اواخر میں مولانا محمد علیؒ جوہر نے گاندھی کا چیلنج منظور کرتے ہوئے کانگریس سے علیحدگی اختیار کرلی اور فرمایا کہ: اگر تمہیں ہماری ضرورت نہیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ ملنے کو تیار نہیں۔ آپ اپنے گھر خوش رہیں، ہمیں ہمارا حصہ تقسیم کردیں۔ ہم دونوں آزادی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ آزاد زندگی بسر کر سکیں۔ ان حالات کے پیش نظر علامہ اقبال مرحوم نے قائد اعظم کو ۱۹۳۴ء میں لکھا کہ صدر کانگریس (جواہر لال نہرو) نے مسلمانوں کے وجود سے صریحاً انکار کردیا ہے۔ اب ان حالات کے تحت ہندوستان میں قیام کی واحد راہ یہی ہے کہ: "نسلی، مذہبی، لسانی مماثلت کے لحاظ سے ہندوستان کی تقسیم کی جائے۔ مجھے یاد ہے کہ انگلستان سے واپسی سے قبل لارڈ لوتھین نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری اسکیم پاکستان ہی ہندوستان کے درد کا واحد درمان ہے۔

تحریک پاکستان کے اسباب:

تحریک پاکستان کے متعدد اسباب بیان کیے جاتے ہیں: ۱...... انگریز اپنے زمانہ اقتدار میں ہندوؤں کو ساتھ ملا کر مسلمانوں کا قتل عام کرتا تھا۔

۲...... انگریز جاتے ہوئے مسلمانوں کو تقسیم کرکے جا رہا تھا، تاکہ مسلمانوں کی قوت یکساں نہ ہو جائے۔

۳...... ہندو ذہنیت مسلمانوں کو ہندوستان سے ختم کرنے کی تھی۔۴...... ایک ہندو بھی ہندوستان کے طول وعرض میں ایسا نہیں ہے جو ایک دن اپنی سرزمین کو گاؤکشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو۔عیسائی اور مسلمانوں کو بزور شمشیر بھی گاؤکشی چھوڑنے پر مجبور کرتے۔(کلکتہ ۹مارچ ۱۹۱۸ء)۵...... اسلام کو مٹانے کی نہرو سازش: خود لکھتا ہے: جس چیز کو مذہب یا منظم مذہب (جیسا کہ اسلام ہے) کہتے ہیں اس ہندوستان میں دوسری جگہ دیکھ کر میرا دل غم زدہ ہوگیا ہے۔میں اگر مذہب سے محبت کرتا ہوں تو اسے یکسر مٹادینے کا آرزومند ہوں۔

(میری کہانی از پنڈت نہرو)

آریوں کی اسلام دشمنی:

ڈاکٹر کرجی لکھتے ہیں: آریوں کو یوں چاہیے کہ ہندوستان میں ایک بھی مسلمان نہ رہے۔

(رسالہ آریہ سماج ص ۸)

مہاتما گاندھی کا اعزاز:

لفظ مہاتما کے استعمال کی سرکاری طور پر پابندی ہونی چاہیے۔صبح گاندھی جی کی پوجا کا اہتمام ہونا چاہیے۔ہر کاغذ پر گاندھی جی کے نام سے پہلے مہاتما لکھا جائے، جو خلاف ورزی کرے، ایک ہزار روپیہ جرمانہ، تین سال قید کی سزادی جائے۔گاندھی جی کے علاوہ جو اپنے نام کے ساتھ مہاتما لکھے گا،اسے عمر قید یا عبور دریائے شور کی سزادی جائے۔

(سرچ بمبئی جولائی ۱۹۳۹ء)

تعلیم:...... ۱۴/اپریل ۱۹۰۰ء پنجاب کے اسکولوں سے فارسی خارج کردی گئی اور اردو کے ساتھ ہندی بھی دفتری زبان کردی گئی۔۱۸/اپریل ۱۹۰۰ء کو گورنر سر انتونی نے حکم جاری کیا کہ یوپی میں اردو اور ہندو دونوں زبانیں دفتروں اور عدالتوں میں استعمال کی جائیں جس کی وجہ سے مسلمانوں پر ملازمت کے دروازے بند ہوگئے۔ہندوستانی بچوں کے لئے مشترکہ تعلیم کی اسکیم بھی مرتب کی گئی۔اسکول کو ودیا مندر کا نام دیا گیا جس میں مخلوط تعلیم، مصوری، بندے ماترم کا ترانہ لازمی قرار دیا گیا جو اسلام کے مخالف تھا۔

متحدہ قومیت:

گاندھی جی کا نسخہ متحدہ قومیت کے لئے:

......"آج مسلمانوں کی تہذیب الگ ہے اور ہندوؤں کی الگ۔ان دو تہذیبوں کے امتزاج سے متحدہ قومیت کی تہذیب مرتب ہوگی۔"

پنڈت نہرو نے خطبہ صدارت میں کہا:

ایسے لوگ بھی زندہ ہیں جو ہندوستان کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں گویا دوملتوں، دوقوموں کے بارے میں گفتگو کررہے ہیں۔جدید دنیا میں اس دقیانوسی خیال کی گنجائش نہیں۔(آل انڈیا کنونشن مارچ ۱۹۳۷ء)

کانگریس پارٹی کے لیڈر مسٹر سیتا موری کا بیان:

میں چاہتا ہوں کہ ایوان اپنے اندر قومیت کا جذبہ پیدا کرے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اول وآخر ہندوستانی ہیں۔یہ اس وقت ہوسکے گا جب ہندو آہستہ آہستہ بھول جائیں کہ وہ ہندو ہیں اور مسلمان بھول جائیں کہ وہ مسلمان ہیں۔

(ہندوستان ٹائمز ۲۳فروری ۱۹۳۹ء)

تحریک پاکستان کا پس منظر:

جب انگریز نے ملک چھوڑنے کا ارادہ کیا تو اس وقت تین جماعتیں تھیں: کانگریس، جمعیت علمائے ہند، مسلم لیگ مع جمعیت الاسلام۔

آزادی کے بعد کیسے رہنا ہے، تینوں جماعتیں اپنے اپنے فارمولے دے رہی تھیں۔کانگریس کی طرف سے نہرو رپورٹ کے نام سے یہ فارمولا شائع ہوا جس میں ہندو کو بالادستی دی گئی تھی۔جمعیت علمائے ہند کی طرف سے جو فارمولا پیش کیا گیا اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو برابر کی نمائندگی دی گئی تھی اور اس کے مطابق حکومت قائم بھی ہوگئی تھی۔نوابزادہ لیاقت علی خان اس کے وزیر خزانہ تھے۔لیکن دونوں طرف سے فرقہ پرستی میں شدت پسندی کی وجہ سے حکومت ختم کردی گئی۔مسلم لیگ دوقومی نظریہ کے مطابق تقسیم چاہتی تھی۔مسلمانوں کی اکثریت نے اس نظریہ کو قبول کیا اور تحریک پاکستان زوروں سے شروع ہوگئی۔گلی گلی کوچہ کوچہ مسلم لیگ کے حق میں جلوس نکلتے تھے اور ایک ہی نعرہ لگتا تھا: پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ۔تاحد نظر جلوس یہ نعرہ لگاتا تھا: پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔ بازاروں گلیوں اور کوچوں میں لا الہ الا اللہ کی آواز گونجتی تھی۔تقسیم کے نظریہ کو پروان چڑھانے کے لئے ہندو مسلم فسادات کرائے گئے،جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندو مسلم اکٹھے نہیں رہ سکتے،جس کا کچھ نتیجہ ہم نے پاکستان بنتے وقت دیکھا تھا۔

پاکستان کے لئے جب ہندوستان تقسیم کیا گیا تو ہندو اور سکھ،مسلمانوں کو لوٹنے، مارنے اور لڑکیوں کو اغوا کرنے لگ گئے اور محتاط اندازے کے مطابق دس لاکھ مسلمانوں کو ہندوؤں اور سکھوں نے قتل کیا اور پچاس ہزار لڑکیاں اغوا کر کے لے گئے۔ ہندوؤں نے منصوبہ کے تحت جو مسلمانوں کا قتل عام کیا، اس کو منشی عبدالرحمن مرحوم نے ("پاکستان کی قیمت" نامی کتاب میں سن وار اور تاریخ وار) نقل کیا ہے، جس کو پڑھ کر کوئی مسلمان ہندوؤں کو خیرخواہ نہیں سمجھ سکتا۔۱۴/اگست ۲۰۱۳ء کو نوائے وقت میں مضمون شائع ہوا، جس کا عنوان تھا "ہم نے پاکستان بنتے دیکھا" اور اس مضمون کے تحت لوگوں کے تاثرات نقل کیے گئے:

۱...... فاطمہ صغریٰ: بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ وہ پاکستان نہیں ہے جس کے لئے قائداعظم

اور اس دور کے لوگوں نے قربانیاں دیں۔ تحریک پاکستان کی جدوجہد، اپنے بچوں، بہنوں، بیٹیوں اور بزرگوں کی قربانیوں کے زخم ہر سال ۱۴ اگست کو تازہ ہوجاتے ہیں۔ اب اس ملک کو ایک اور قائداعظم کی ضرورت ہے۔

۲......بیگم ایم خورشید: آزادوطن کے لئے خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ آبادی کا اتنا بڑا تبادلہ تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔ خاندان ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔ آباؤاجداد چھٹ گئے۔

۳......کرنل امجد حسین: انڈیا سے کئی لوگوں سے بھرے ٹرک آتے جسے ہم گڑھوں میں دباتے۔

۴...... سید منظور حسین: میرے آنکھوں کے سامنے میرے گھر والوں کو ہندوس نے خون میں لت پت کیا اور گھر کو آگ لگادی۔

۵......اقبال احمد مغل: راستے میں ہم نے کئی خونی مناظر دیکھے جس کو سوچ کر اب بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو نیزوں میں پرو کر ناچتے والے ہندو، سکھ مجھے کیسے بھول سکتے ہیں؟ ہمیں لاٹھیوں سے مارنے کے فوراً بعد ہندو حملہ آوروں نے مٹی کا تیل، جلانے والی گیس ڈال کر مکانوں کو اور لاشوں کو آگ لگادی۔

۶......ابوالفاروق جالندھری: وہ دن کتنے سنگین تھے جب سکھ کرپانوں سے حملہ آور ہوتے اور مسلمانوں کو چاقو کی اجازت نہ تھی۔ میرے ماموں سکھوں کے علاقے میں رہتے تھے۔ سارے خاندان کو قتل کر کے گھروں کو لوٹ لیا۔ وہ کتنی دہشت ناک گھڑیاں تھیں جب سکھ درندوں سے عصمت بچانے کے لئے معصوم بچیوں نے کنوؤں میں چھلانگ لگادی۔

کلیجہ پھٹتا ہے جب سنتے تھے کہ مسلمانوں کی پچاس ہزار بیٹیاں سکھ اٹھا کر لے گئے۔ حیرت ہوتی ہے جب ہمارے سربراہ اس قوم کو پسندیدہ قرار دینے کی باتیں کرتے ہیں۔ جس قوم کو ناپسندیدہ قرار دے کر ملک کو تقسیم کیا، آج وہ پسندیدہ کیسے بن گئے؟ الحذر الحذر!

قائداعظم کا پاکستان:

قائداعظم پر آج کل الزام لگایا جارہا ہے کہ وہ سیکولر نظام کے حامی تھے۔ ۶۵ سال گزرنے کے بعد نظریہ پاکستان میں شکوک و شبہات ڈالے جارہے ہیں۔ یہ شکوک وشبہات انڈیا اور مغرب کی طرف سے درآمد ہورہے ہیں۔ کبھی اتحاد بین المذاہب کی تحریک، کبھی بین المذاہب ہم آہنگی کے نام پر اسلام کے تشخص (کہ اسلام ہی ناجی مذہب ہے) کو ختم کرنے کی کوشش کی جاری ہے۔ آزاد خیال، روشن خیال مسلمان اس کی آبیاری کررہے ہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ قائداعظم پاکستان کے متعلق کیا تصور رکھتے تھے، تحریر کیا جائے، تاکہ پاکستان کے نظریہ اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کرنے والوں سے قارئین متاثر نہ ہوں اور شکوک ڈالنے والوں کو قائداعظم کا پاکستان پڑھا کر ان کے غلط نظریہ رد کرسکیں۔ چنانچہ زیرنظر سطور میں قائداعظم کی تقاریر پاکستان بننے سے پہلے اور بعد کی تحریر کی جائیں گی جس سے قارئین کو قائداعظم کے نظریات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی اور وہ روشن خیال ذہن سے متاثر نہ ہوگا۔

فرمودات قائداعظم:

ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک قطعہ زمین حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا، بلکہ ہمارا مقصد ایک ایسی تجربہ گاہ کا حصول تھا جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو بروئے کار لاسکیں۔ اسلام نے ہمیں جمہوریت اور مساوات کی تعلیم دی ہے اور ہر شخص سے انصاف اور رواداری کا حکم دیا ہے۔ اسلامی ریاست کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم کے احکام ہی معاشرت وسیاست میں ہماری آزادی کی وسعت وتحدید کا تعین کرسکتے ہیں۔ ہماری نجات کا واحد ذریعہ ان زریں اصولوں اور ضابطۂ حیات پر عمل کرنا ہے جو رسالت پناہ ﷺ نے ہمیں عطا کیا ہے۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد نہ تو وطن ہے نہ نسل، بلکہ کلمۂ توحید ہے۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں اپنی پاک سرزمین میں اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی انصاف اور انسانی مساوات کے اصولوں کے احیاء اور فروغ کی پاسبانی کرنی ہے۔

ہمیں ایسے باایمان لوگوں کی ضرورت ہے جو حوصلہ اور عزم رکھتے ہوں اور اپنے عقائد کی خاطر نبرد آزما ہوسکتے ہوں۔

ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشرتی ومعاشی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی مساوات اور سماجی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو۔ ایسا نظام پیش کرکے ہم اپنے فرض کی بجاآوری کریں گے اور انسانیت کو صحیح اور سچے امن کا پیغام دیں گے۔ ہمیں ضروری اور بنیادی نوعیت کی صنعتوں کو سرکاری تحویل میں لینا ہوگا اور یہی عمل عوامی ضروریات کے تحت بعض دوسرے شعبوں میں بھی کرنا پڑے گا۔ ایک عظیم تہذیب اور تاریخ کے وراث ہونے کی حیثیت سے ہمیں کسی قسم کا خوف نہیں ہونا چاہئے اور کام، کام اور کام کو اپنا شعار بنانا چاہئے کہ کامیابی ہمارا مقدر ہے۔ یہ سہ گانہ اصول پیش نظر رکھئے: ایمان، اتحاد، تنظیم۔ (بحوالہ ماہنامہ اوقاف فروری ۱۹۷۷ء، ج ا شمارہ ا)

(جاری ہے)

حضرت مولانا سیّد محمد اصلح الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ (امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

شیخ المشائخ حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی نوراللہ مرقدہٗ کے متعلق کچھ لکھنے کے سلسلہ میں وہی عذر کروں گا، جو اس سے پہلے مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ (جو کہ میرے ساتھی بھی تھے)، حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرہٗ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ، مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ اور مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ کے متعلق کچھ لکھنے پر کیا تھا کہ ’’مجھے لکھنے کی عادت نہیں‘‘ مگر بالآخر کچھ لکھواتے ہی بنی اور اب حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی صاحبؒ کے متعلق بھی چند باتیں لکھوا کر حضرتؒ سے محبت اور عقیدت والوں میں اپنا نام شامل کرتا ہوں۔

میں نے ۱۹۳۶ء کو ہندوستان اپنے گاؤں میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی زیارت کی تھی۔ حضرت اقدس مدنی قدس سرہٗ الیکشن کے سلسلہ میں وہاں آئے ہوئے تھے اور میں نے ۵۹ سال پہلے جو کہ میری تدریس کا پہلا سال تھا عبداللہ پور، فیصل آباد میں ۲۷ رمضان المبارک کی رات کو شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کے توسط سے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بعد میں بزرگوں کی ایک کہکشاں حضرت مولانا عبدالعزیز (ساہیوال والے)، حضرت پیرجی عبداللطیف صاحبؒ، حضرت پیرجی عبدالعزیز (۱۱، چک والے)، حضرت مولانا سید نیاز احمد شاہ صاحبؒ (تلمبہ والے) اور حضرت مولانا پیر سید خورشید احمد ہمدانیؒ کے درمیان رہنے کی سعادت حاصل رہی اور اسی کہکشاں کے ایک اور رہرو حضرت مولانا عبدالعزیز (سرگودھا والے) بھی تھے جن سے میرا ان سب حضرات سے زیادہ تعلق رہا۔

حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ سے ایک عرصہ تعلق رہا، انہوں نے مکہ مکرمہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے سلسلہ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اسی طرح حضرت مولانا جمیل احمد میواتیؒ جو کہ حضرت رائپوریؒ اور حضرت لاہوریؒ دونوں کے خلیفہ مجاز تھے، انہوں نے بھی ۱۴۰۲ھ میں مدینہ طیبہ میں اجازت عنایت فرمائی۔ حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی صاحبؒ نے بھی ان حضرات کی شفقتوں، عنایتوں اور حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہ سے والہانہ تعلق کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک حاضری کے موقع پر حضرت مدنی قدس سرہٗ کے سلسلہ کی اجازت عنایت فرمائی اور تسبیحات ستہ کی تلقین بھی فرمائی۔

حضرت مولانا سید اصلح صاحب قدس اللہ سرہٗ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے مرید و شاگرد خاص تھے اور ایک عرصہ تک سفر و حضر کے خادم ہونے کا شرف بھی حاصل رہا، آخری عمر تک حافظہ بیدار اور یادداشت مستحضر تھی اور طبیعت مبارک سے نشاط اور انبساط ظاہر ہوتا تھا، مجھے اجازت دیتے ہوئے فرمایا کہ: آپ کو حضرت رائپوری قدس سرہٗ اور حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے سلسلہ کی ان کے خلفاء سے اجازت ہے اور اب حضرت مدنی قدس سرہٗ کے سلسلہ کی میں اجازت دیتا ہوں۔ آپ کو ہر طرح سے بیعت کرنے کی اجازت ہے، بیعت شریعت کی، بیعت طریقت کی، بیعت معرفت کی اور بیعت حقیقت کی، ہاں! البتہ ایک قسم کی بیعت کی میری طرف سے اجازت نہیں، میری اور حضرت سید صاحبؒ کے خادم جو اس وقت موجود تھے، دونوں کی توجہ حضرت سید صاحبؒ کے اس کلام کی طرف ہوگئی۔ حضرت سید صاحب کے خادم نے عرض کی، حضرت وہ کون سی بیعت ہے، جس کی اجازت نہیں؟ تو مسکراتے ہوئے فرمانے لگے: بیعت معیشت کی، جس کا آج کل رواج ہوگیا ہے۔ حضرت سید صاحبؒ تو مسکرا ہی رہے تھے، میں اور ان کا خادم بھی حضرت سید صاحبؒ کے اس لطیف مزاح پر مسکرا کر رہ گئے۔

حضرت سید صاحبؒ کی خدمت میں کراچی حاضری تو بعد میں ہوئی، اس سے بہت پہلے جامعہ دار العلوم عیدگاہ کبیر والا میں حضرت سید صاحب اور حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ تشریف لائے تھے، میں نے وہاں زیارت کی تھی اور دوسری مرتبہ ملتان میں ایک تقریب کے سلسلہ میں آمد پر حضرت سید صاحبؒ کی زیارت کی، مگر کراچی میں حاضری کے بعد حضرت سید صاحبؒ سے ایک نیازمندانہ تعلق رہا۔

حضرت سید صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں مدرس بھی رہے۔ حضرت مولانا ریاست علی بجنوری حال استاذ الحدیث دیوبند، جانشین حضرت لاہوری حضرت مولانا

عبیداللہ انورؒ، حضرت مفتی محمد شفیعؒ کے دو بیٹے جناب محترم محمد رضی عثمانی، اور محترم جناب محمد ولی رازی صاحب اور حضرت سید صاحب کے چھوٹے بھائی دار العلوم دیوبند کے مدرس مفتی محمد اکمل صاحب، یہ سب حضرات حضرت سید صاحب کے شاگرد ہیں۔

شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، ان سب حضرات کا سلسلہ علم وطریقت حضرت اقدس امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے ہی ہے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور امام العصر حضرت علامہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ بھی حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلیفہ ہیں۔ باوجود حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی صحبت اٹھانے کے بھی یہ سب حضرات اپنی نسبت کا انتساب حضرت امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کی طرف ہی کرتے تھے سوائے حضرت تھانویؒ کے۔ مگر انہوں نے بھی امام ربانی حضرت گنگوہی کو اپنا شیخ ثانی لکھا ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور امام ربانیؒ، حضرت گنگوہیؒ ان سب حضرات کے استاد، استاد الاستاد اور شیخ ہیں۔ دیوبندیت دراصل رشیدیت ہی کا نام ہے۔ یہ سب حضرات دراصل رشیدی سلسلہ ہی کے اکابر ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی صاحبؒ اس سلسلہ رشیدیہ مدنیہ کی ایک اہم کڑی تھے، جس سے براہ راست ہماری علمی، روحانی اور سیاسی نسبت حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے ہو جاتی ہے۔ اگرچہ حضرت سید صاحبؒ نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی بھی زیارت کی، حضرت تھانویؒ، حضرت رائے پوریؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی خدمت میں حاضری اور خط وکتابت بھی ہوتی رہی اور مولانا پیر سید خورشید احمد ہمدانیؒ اور مولانا بدر عالم محدث مہاجر مدنیؒ سے بھی آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی، لیکن آپ حضرت مدنی کی نسبت میں فنا تھے اور حضرت مدنی سے استفادہ کئی برس پر محیط ہے اور آپ حضرت مدنی کی علمی روحانی اور سیاسی تینوں نسبتوں کے امین تھے۔ آج کل جو اہل حق کے سلسلہ سند میں مربوط لوگوں میں مسلکی مشربی اور سیاسی بے اعتدالی پائی جاتی ہے، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس بے اعتدالی سے اپنے اکابر کے سلسلہ سند کے فیض سے وہ حضرات محروم رہتے ہیں گویا کہ ان کی سند منقطع ہے کیونکہ وہ سلسلہ کی خصوصیات چھوڑ بیٹھے ہیں، حضرت مولانا سید محمد اصلح الحسینی صاحبؒ ان بے اعتدالیوں سے بالکل محفوظ تھے۔

حضرت مولانا سید اصلح صاحبؒ جیسے اکابر کی جدائی ایک بڑا خلا ہے اور اب تو بڑوں کے دیکھنے والے، ان کی فکر وروایات کے امین رہ ہی کتنے گئے ہیں؟ حضرت سید صاحب نے اکابر کے طریق تصوف کو اس کی خصوصیات کے ساتھ، علمی نسبت کو اس کے رسوخ اور اعتدال کے ساتھ اور سیاسی فکر کو اس کی حریت اور شائستگی کے ساتھ محفوظ کیا ہوا تھا۔

حضرات اکابر کی تواضع، بے نفسی، شہرت سے دوری، سادگی اور اعتدال پسندی کی زندہ یادگار تھے، حضرت مدنی قدس سرہ کے کمالات کے آئینہ دار تھے۔ حضرت سید صاحب کے وصال سے ہم اکابر کی اس نشانی سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے بہترین بدلے عطا فرمائے۔

☆☆..........☆☆

منڈی

زمانے کے شام و سحر بک رہے ہیں — ادھر بک رہے ہیں، اُدھر بک رہے ہیں
یہ دھوپ اور چھاؤں اندھیرا، سویرا — گماں ہے کہ شمس و قمر بک رہے ہیں
بہاروں کو صیاد سے ہے شکایت — کہ گلشن میں شاخ و ثمر بک رہے ہیں
کوئی عندلیب چمن سے یہ کہہ دے — چمن میں تیرے بال و پَر بک رہے ہیں
ہوا بھی، فضا بھی، بہار و خزاں بھی — یہ کون و مکان، بحر و بر بک رہے ہیں
گراں جنس ارزاں ہوئی اس طرح سے — کہ انسان بھی در بدر بک رہے ہیں
یہ ماں کہہ رہی ہے، بہن کہہ رہی ہے — خریدو کہ لختِ جگر بک رہے ہیں
کوئی ہے جو آواز دے کر خریدے — ہر اک راہ پر راہبر بک رہے ہیں
عدالت کے ایواں میں، مسجد کے اندر — خدا بک رہا ہے، بشر بک رہے ہیں
سنا ہے کہ خوشۂ گندم کے بدلے — وطن کے یہ لعل و گوہر بک رہے ہیں
فرنگی تماشا گروں کے گھروں میں — میرے دیس کے سوداگر بک رہے ہیں

فرشتوں کی عظمت نہیں جن کی قیمت
وہ جانباز اب دربدر بک رہے ہیں

جانباز مرزا

باتیں اُن کی، یاد رہیں گی!

مفتی محمد راشد ڈسکوی

گزشتہ سے پیوستہ

مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں موجودہ وقت کے کبار مشائخ عظام، صاحب نسبت، عالی السند، علم وعمل کے جامع علمائے کرام کا بیک وقت ایک جگہ صحاح ستہ کا درس دینا وہاں کا طرۂ امتیاز ہے۔ تفصیل اس اجمال کی کچھ اس طرح ہے کہ دیگر جامعات میں سے کسی بھی ادارے کی طرف دیکھ لیجیے، اس دور میں وہاں صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو شخصیات ایسی نظر آئیں گی جو عالی السند ہیں، مثلاً: ہمارے اس دور میں سب سے عالی سند اُن حضرات کی ہے جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، (اس لئے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے درمیان صرف چار واسطے ہیں) اور یہ بات پوری طرح جائزہ لینے کے بعد کہی جا رہی ہے کہ پورے پاکستان میں چند گنے چنے مدارس ہی ایسے ہیں جہاں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد موجود ہوں، اُن اداروں میں بھی اس ایک ہستی کے علاوہ ان کے ہم پلہ عالی السند کوئی اور نظر نہیں آتا، الا ماشاء اللہ۔ لیکن مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں دیکھئے!

اُستاذ محترم حضرت مولانا جمشید علی صاحب رحمہ اللہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، (یعنی: اُستاذ محترم رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے درمیان صرف پانچ واسطے تھے)۔

اُستاذ محترم حضرت مولانا نذر الرحمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا سلطان محمود صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں جو علامہ انور شاہ کشمیری اور شیخ الہند رحمہما اللہ کے شاگرد تھے، (اس طرح اُستاذ محترم حضرت مولانا نذر الرحمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے درمیان بھی صرف پانچ واسطے بنے)۔

اور اُستاذ محترم حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، (اس طرح اُستاذ محترم حضرت مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے درمیان بھی صرف پانچ واسطے بنے)۔

اور اُستاذ محترم حضرت مولانا محمد جمیل صاحب دامت برکاتہم العالیہ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور وہ حضرت مولانا سلطان محمود صاحب کے، (اس طرح اُستاذ محترم حضرت مولانا محمد جمیل صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے درمیان صرف چھ واسطے بنے)۔

اس خاص وصف کو دیکھتے ہوئے شدید خواہش تھی کہ دورۂ حدیث تو رائے ونڈ میں ہی ہونا چاہیے، کہ چلو کچھ نسبت تو ہو، عملی میدان میں آگے بڑھنے کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے دے ہی دیں گے، ان شاء اللہ! اسباق کے پڑھانے میں ان تمام مشائخ کا اپنا اپنا جُداگانہ انداز تھا، اس وقت مقصود صرف اُستاذ محترم حضرت مولانا جمشید علی صاحب رحمہ اللہ کے اندازِ تدریس کے بارے میں روشنی ڈالنا مقصود ہے، اُستاذ محترم رحمہ اللہ سبق پڑھانے کے لئے تشریف لاتے، تشریف فرما ہوتے ہی، ''ہاں بھائی، چلو شروع کرو'' کہہ کے سبق کا آغاز فرماتے، نظر والی عینک آنکھوں پر ہوتی اور پوری طرح سو فیصد کتاب کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے، گویا کہ دائیں بائیں کسی اور طرف کا بالکل ہوش ہی نہیں رہتا تھا، ترتیب یہ ہوتی تھی کہ ایک طالب علم صحیح البخاری کا ایک صفحہ پڑھتا تھا، طالب علم ایک حدیث پڑھ کے اس کا ترجمہ کرتا، اور اس وقت اُستاذ محترم رحمہ اللہ نے اس حدیث سے متعلق تشریحی یا وضاحتی بات ارشاد فرمانی ہوتی تو فرما دیتے تھے، ورنہ طالب علم ترجمہ کر کے آگے چلتا رہتا، البتہ جیسے ہی وہ اعراب یا ترجمہ کی غلطی کرتا تو اُستاذ محترم رحمہ اللہ اسی وقت ''ہوں'' کہہ کر اسے متوجہ کرتے، اگر وہ غلطی ٹھیک کر لیتا تو ٹھیک ورنہ اُستاذ محترم رحمہ اللہ اسے درست کر دیتے تھے۔

سبق ختم ہونے کے بعد طلبا کی طرف سے سوالات کی پرچیاں پیش کی جاتی تھیں، ایک متعین طالب علم سوال اونچی آواز میں پڑھ کے سناتا، اُستاذ محترم رحمہ اللہ اسی وقت فی البدیہہ، اپنے مخصوص انداز میں ٹھہر ٹھہر کے مُسکت جواب ارشاد فرما دیتے۔

اُستاذ محترم رحمہ اللہ کے بارے میں سُنا ہوا تھا کہ آپ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہوئی ہے، اس

بات کی تصدیق کی خاطر ایک بار (جبکہ سبق موجودہ جدید مسجد کے تہہ خانے میں ہو رہا تھا) پرچی لکھی کہ اُستاد جی! آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ "آپ کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی ہے" کیا یہ بات صحیح ہے؟ اس پر اُستاذ محترم رحمہ اللہ نے ڈانٹ کر خاموش کروادیا، فرمایا: "نالائق کہیں کے، ایسی باتیں نہیں پوچھتے۔" بندہ حیران و پریشان، کہ یہ کیا بنی! اُستاذ محترم رحمہ اللہ کا مقصود اس انداز سے جواب دینے سے اس بات کی تردید کرنا تھا یا اس طرح کی باتوں کے اِفشاء سے روکنا تھا؟ واللہ اعلم بالصواب۔ خیر! پھر ایک دن سبق کے بعد جب دیکھا کہ اُستاذ محترم رحمہ اللہ بہت زیادہ خوشگوار موڈ میں ہیں تو بندہ نے دوبارہ اُسی سوال کی پرچی بھیج دی، اب کی بار اُستاذ محترم رحمہ اللہ نے آہستہ سے فرمایا: "الحمدللہ! ایک سے زیادہ بار۔"

اس واقعے کے بارے میں اُستاذ محترم رحمہ اللہ کے خدام سے ایک اور واقعہ سنا کہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہوکر دریافت کیا کہ حضرت! آپ کے بارے میں سُنا ہے کہ آپ کو خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی ہے؟ تو اُستاذ محترم رحمہ اللہ نے اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا: "بھائی! جو سُنا ہے وہ ٹھیک سُنا ہے، اس طرح کی باتوں کے پیچھے نہیں پڑتے، جاؤ، جاکے اپنا کام کرو۔"

اسی طرح اُستاذ محترم رحمہ اللہ سے بیانات میں بارہا سُنا کہ "جس نے زُلفیں رکھنی ہوں تو وہ چالیس سال کے بعد رکھے۔" چنانچہ اس کے بارے میں بندہ نے پرچی بھیجی کہ کیا زُلفیں چالیس سال کے بعد رکھنا سنت ہے؟ اس کے جواب میں اُستاذ محترم رحمہ اللہ نے فرمایا: "نہیں بھائی! زُلفیں رکھنے کی سنت پر عمل کرنے کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے، لیکن! موجودہ زمانے میں جب ہم نفس و شیطان کے آگے مغلوب ہوئے پڑے ہیں، تو نام سنت کا استعمال ہوتا ہے، جبکہ وہاں اتباعِ نفس چھپی ہوتی ہے، چالیس سال سے قبل بناؤ سنگھار کا جذبہ غالب ہوتا ہے، اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ زُلفیں رکھنے سے خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے، تو مقصود یہ ہوتا ہے اور نام سنت کا استعمال کرتے ہیں، دوسری طرف چالیس سال کے بعد عام طور پر بناؤ سنگھار کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے، اُس وقت یہ کام کیا جائے گا تو پھر کسی قسم کا اِشکال نہیں، البتہ اگر کسی کا مقصود واقعتًا اتباعِ سنت ہی ہو تو ضرور رکھے، خلاصہ یہ کہ ہمارا یہ کہنا حکمِ شرعی نہیں ہے، لیکن مصلحتًا اس طرح بیان کردیا جاتا ہے۔"

الغرض! اُستاذ محترم رحمہ اللہ کے سمجھانے کا انداز انتہائی سادہ اور آسان ہوتا تھا کہ کمزور سے کمزور ذہن والا بھی بات پوری طرح سمجھ کر مطمئن ہوجاتا تھا، اَحکامِ شریعت میں مسئلہ تقدیر ایسا مسئلہ ہے کہ علماء کرام نے صاف صاف لکھا ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں کھود کرید کرنا اور اس کی باریکیوں میں الجھنا اور اس بارے میں زیادہ قیل و قال کے چکروں میں پڑنا جائز نہیں ہے، اس مسئلہ پر بس اجمالی ایمان رکھنے کا حکم ہے، اس مسئلہ کے بارے میں اُستاذ محترم رحمہ اللہ نے نہایت سادہ انداز میں تفصیل بیان کی کہ الحمدللہ! تشفی ہوگئی، اس کا خلاصہ ذیل میں لکھتا ہوں، فرمایا:

"پہلی بات تو سمجھو کہ ایک لفظ ہے تقدیر: اس کے معنی "اندازہ لگانا" ہے۔ دوسرا لفظ ہے تجبیر: اس کے معنی "جبر اور زیادتی کرنا" ہے۔ اور تیسرا لفظ ہے تخبیر: اس کے معنی "خبر دینا" ہے۔ اب دوسری بات یہ سمجھو کہ انسان کا اندازہ غلط ہوسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا اندازہ غلط نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ تو ماضی، حال اور مستقبل کا علم بھی رکھتا ہے، چنانچہ اس کا علم محیط ہونے کی وجہ سے اس کا اندازہ بالکل ٹھیک بیٹھے گا، اُس میں غلطی نہیں ہوسکتی۔ یہ ہوگئی دو باتیں، اب تیسری بات سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ اس دُنیا میں فرمانبرداری یا نافرمانی والی زندگی میں سے جو زندگی گزارنا چاہو، گزار کے آؤ، دُنیا میں تم پر کوئی جبر نہیں، لیکن قیامت والے دن فرمانبرداروں کو نافرمانوں سے جُدا کردیا جائے گا، فرمانبردار اللہ تعالیٰ کے مہمان خانے (جنت) میں ہوں گے اور نافرمان اللہ کی جیل (جہنم) میں ہوں گے۔

پھر فرمایا: ان ابتدائی باتوں کو اچھی طرح ذہن میں بٹھائیں اور اس کے بعد ایک مثال سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بچے کو وجود دیا، اور اس کی عمر مثلاً: تیس سال لکھ دی کہ دُنیا میں یہ بچہ تیس سال زندہ رہے گا، اَب تیسری بات ذہن میں لاؤ کہ اس بچے نے اپنے اختیار کے مطابق دنیا میں تیس سال کی زندگی گزاری حتیٰ کہ اپنی زندگی کے آخری لمحے میں یا آخری سانس میں وہ اپنے اختیار سے نماز پڑھ رہا تھا، سجدے کی حالت میں تھا کہ اُس کا وقت پورا ہوا اور فرشتے نے اس کی روح قبض کرلی تو اس کا خاتمہ سعادت کے ساتھ سجدے کی حالت میں ہوا۔ اَب واپس لوٹ کے اس کی پیدائش کے وقت کے پاس آجاؤ، جب فرشتے نے اس بچے کے جسم میں روح ڈالی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے مستقبل کے علم میں یہ دیکھ لیا کہ یہ بچہ اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اپنا آخری سانس سجدے کی حالت میں پورا کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی بدولت اپنے اندازے کو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا کہ یہ بچہ سعادت کی موت سجدے کی حالت میں اس دنیا سے جائے گا، اُستاذ محترم رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ تھا اللہ تعالیٰ کا اندازہ جو غلط نہیں ہوسکتا، اسے کہتے ہیں تقدیر! یعنی: اللہ تعالیٰ کا اندازہ۔ پھر فرمایا: میرے عزیزو! اب بتاؤ کہ اُس بچے کی سجدے کی حالت میں موت تقدیر میں یہی کچھ

لکھا ہوا ہونے کی وجہ سے ہوئی یا اُس کے اپنے اختیار کو استعمال کرنے کی وجہ سے ہوئی؟ پھر خود ہی فرمایا کہ اس کی یہ موت تقدیر میں لکھا ہوا ہونے کی وجہ سے نہیں ہوئی، اس لئے کہ اگر ایسا کہیں گے تو یہ ''تجبیر'' یعنی: جبر کرنا ہوگا، جس کی وجہ سے یہ کہا جائے گا کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں مجبور تھا، حالانکہ اللہ نے تو انسان کو اس دنیا میں مجبور نہیں رکھا بلکہ اختیار دیا ہے، لہٰذا یہ کہنا اللہ کی شان کے بھی خلاف ہے اور اللہ کے اصول کے بھی۔ چنانچہ لوگوں کی زبانوں پر جو یہ جملہ ہوتا کہ ''بھائی تقدیر میں ہی ایسا لکھا ہوا تھا، ہم کیا کرسکتے ہیں'' تو اچھی طرح سمجھ لیں کہ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ اختیار تو بندے کا استعمال ہوا، لیکن یہ سب کچھ (یعنی: بندے کا اپنے اختیار کو استعمال کرنا) اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا، اور اللہ نے اپنے اس اندازے کو لکھ دیا تھا، جو تقدیر کہلایا، لہٰذا محاورے میں اس اختیاری فعل کی نسبت اُس لکھی ہوئی تقدیر کی طرف کرکے بول دیتے ہیں، جس کا مطلب صرف اور صرف یہ بنتا ہے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے، وہ ہوا تو اس بندے کے اپنے اختیار سے ہے البتہ اس کے اپنے فعل کو تقدیر میں لکھ دیا گیا تھا۔ دو لفظوں میں خلاصہ سننا چاہو تو یہ بنے گا کہ انسان کے اچھے اور بُرے افعال تقدیر میں لکھا ہوا ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ اس کے اپنے اختیار سے یہ سب کچھ ہوتے ہیں، جن کی خبر اللہ تعالیٰ نے عالم الغیب ہونے کی وجہ سے معلوم کرکے لکھ کردی ہوتی ہے، اسے ہی تقدیر کہتے ہیں۔

تقدیر سے متعلق اُستاذ محترم رحمہ اللہ کی اس گفتگو کو دیکھ لیں کہ کس آسانی سے مسئلہ کی ایسی تشریح کردی کہ اس کے بعد اس طرح کے سوالوں ''لو جی! اس میں چور کا کیا قصور ہے؟ اس کی تقدیر میں ہی ایسا لکھا ہوا تھا، قاتل کا کیا قصور؟ اس کی تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا، زانی کو کیوں ملامت کرتے ہو تقدیر کے خلاف کون کیا کرسکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ'' سے نجات مل جاتی ہے۔

اسی طرح اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ سبق کے اختتام پر طلبا اُستاذ محترم رحمہ اللہ سے فرمائش کرتے کہ اُستاذ جی! لیلیٰ مجنون کے اشعار سنائیں، تو اُستاذ محترم رحمہ اللہ اپنے مخصوص لہجے میں پورے طرز سے لے میں آکر وہ اشعار سنادیتے، ان اشعار کا اصل لطف تو انہیں ہی آسکتا ہے جنھوں نے اُستاذ محترم رحمہ اللہ کی زبانی یہ اشعار سنے ہوں، لیکن دوسروں کے لئے بھی فائدے سے خالی نہیں، اس لئے کہ اُستاذ محترم رحمہ اللہ کا مقصود ان اشعار سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی مشکلات وتکالیف پر صبر کی طرف پھیرنا ہوتا تھا، ملاحظہ فرمائیں۔

سُنا ہے لیلیٰ کا یہ دستور تھا
بھیک دیتی در پہ آتا جو گدا
اِک دن مجنون بھی کاسہ ہاتھ لئے
آ پکارا، کچھ ہمیں بھی للہ! دے
آئی لیلیٰ، سبھی کو کچھ دیا
ہاتھ سے مجنوں کے کاسہ لے لیا
دے پٹخ مارا زمین پر ایک بار
رقص میں مجنوں ہوا بے قرار
کسی نے پوچھا، اے مجنوں خام!
رقص کا تھا، ایں جا کیا مقام؟
بولا مجنوں! تم میں کوئی عاشق نہیں
عاشقوں کی رمز سے واقف نہیں
کسی کے عاشق کے ہوئے ایسے نصیب؟
بلا نازل کرے جس پہ اُس کا حبیب

اسی طرح مطالبہ ہوتا کہ حضرت! ملا دوپیازہ اور بیربل کے واقعات سنائیں تو اُستاذ محترم رحمہ اللہ اُن کے واقعات سنادیتے، تو پوری مجلس ایسے ہوجاتی، گویا پھلجڑیاں پھوٹ پڑی ہوں، الغرض! اُستاذ محترم رحمہ اللہ کا سبق ہوتا یا بیان: شریک ہونے والا کسی طرح بھی بور نہ ہوتا تھا اور پوری طرح ہشاش بشاش اُس درس یا بیان سے مستفید ہوتا تھا۔

اُستاذ محترم رحمہ اللہ کی خصوصیت یہ تھی کہ رات نماز عشاء کے بعد حیاۃ الصحابہ کی تعلیم کروانی ہوتی یا صحیح البخاری کا سبق پڑھانا ہوتا، اُس کا مطالعہ ضرور کرتے تھے، حتیٰ کہ ایسا بھی دیکھنے میں آیا کہ سبق کے لئے طلبہ کو مسجد میں جمع کیا گیا، لیکن پھر بعد میں یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ میں مطالعہ نہیں کرسکا، اسی طرح ایک بار آپ کی نماز عشاء کے بعد ''حیاۃ الصحابہ'' کی تعلیم کروانی طے ہوئی، لیکن کثیر مصروفیات کی بنا پر آپ مطالعہ نہ کرسکے تو فرمایا کہ مولانا نذر الرحمن صاحب کو جاکر کہہ دو کہ آج میں مطالعہ نہیں کرسکا، آپ کروالیں۔

اُسباق کی پابندی کا یہ عالَم تھا کہ کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے تھے، اگر کبھی کہیں کا سفر درپیش ہوتا تو جانے سے قبل یا واپسی پر جو بھی وقت ہوتا طلبا کو بلوا لیتے اور سبق پڑھاتے، حتیٰ کہ دیکھا گیا کہ رات کے دو بجے اور اسی طرح تین یا چار بجے بھی سبق کے لئے طلبا کو بلوا لیتے تھے۔ معمولی تھکاوٹ یا بیماری کی تو پروا ہی نہیں ہوتی تھی۔

الغرض! حضرت کی صفات، خصلتوں اور عادات وخصائص کا ذہن میں اس قدر ہجوم ہے کہ اس کے استحضار کے لئے شاید پوری کتاب بھی ناکافی ہو، لیکن فی الوقت اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ پہچاننے کے لئے پوری دیگ کو نہیں، چند دانوں کو ہی چکھا جاتا ہے، ضرورت ہے کہ اُن کے خصائل حمیدہ کو سامنے رکھا جائے، دعوت وتبلیغ، علمی وعملی میدان اور تقویٰ والی زندگی میں ان کی اتباع کی جائے اور موجودہ حیات بزرگان دین اور اساتذہ کرام کی قدر کرتے ہوئے اُن

(باقی صفحہ ۱۷ پر)

ملالہ کے لئے نوبل انعام

تہذیبِ نو کا نیا پیغام

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

ملالہ کو نوبل انعام کیا ملا، یار لوگوں کی تو باچھیں کھل گئیں، ان کے وارے نیارے ہوتے نظر آرہے ہیں، کیونکہ انہوں نے بڑی مشکل سے یہ چوٹی سر کی ہے۔ اسلام، ملک وملت سے غداری ان کے خون میں رچی بسی ہوئی ہے۔

جھگڑا تعلیم پر نہیں بلکہ تہذیب پر ہے، جس کو تعلیم کے نام پر مسلمانانِ عالم پر مسلط کیا جارہا ہے۔ ملالہ تو ایک ذریعہ ہے جس کو نوبل انعام دے کر عالمی سطح پر اُچھالا جارہا ہے۔ اصل کام تو کچھ اور ہے، وہ ہے عالمی ایجنڈا، جس کے ذریعہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کو دینی شناخت سے بدل کر کے بے راہ روی کی طرف ڈالنا۔ انہیں معلوم ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل جو کہ اب ماں باپ بن چکی ہے اس کو راہ راست سے، راہ حق سے ہٹانا قدرے مشکل ہے، مگر انہی کی اولادوں کو خوبصورت اور سہانا مستقبل دکھا کر اپنے جال میں پھنسایا جارہا ہے۔ برصغیر میں اس سے پہلے بھی ایسا ہی کھیل کھیلا جاچکا ہے، جو کہ کامیاب رہا، اور اب پھر نت نئے ہتھکنڈوں سے لیس ہو کر کفر میدان میں آچکا ہے۔ اس کے پہلے سے پالتو اب اس کی سوچ وفکر کو آگے بڑھانے میں رات دن لگے ہوئے ہیں۔ ملالہ جو کہ پہلے ہی ایک متنازعہ کردار کی حامل ہے، اسی کو آگے لایا جارہا ہے۔ کفر کا ہمیشہ سے یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ پاکستان میں سے ایسے افراد کو چن کر انعام سے نوازتا ہے جو کہ پہلے ہی سے وطن عزیز میں شک کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، جن کی وفاداریاں اسلام سے زیادہ کفر کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ ملالہ سے پہلے بھی پاکستان سے ایک ایسے شخص کو نوبل انعام دیا گیا تھا جس کے پورے گروہ کی پاکستان سے وابستگی مشکوک تھی، وہ تھا ڈاکٹر عبدالسلام جو کہ قادیانی تھا اور اس کے متعلق یہ کہا گیا کہ وہ پہلا پاکستانی اور پہلا مسلمان ہے۔ وہ پہلا پاکستانی تو ہو سکتا تھا مگر پہلا مسلمان نہیں۔ مگر میڈیا کے ذریعہ اس کو بار بار مسلمان کہا اور لکھا گیا۔ اس پر اس زمانہ میں احتجاج ہوا، اور یاد دلایا گیا کہ اس طبقہ کو پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے قانوناً غیر مسلم قرار دیا ہے۔ اس واقعہ پر اس وقت پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بانی ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بھی اپنے ایک انٹرویو میں اشارہ کیا تھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام کو صرف قادیانی ہونے کی وجہ سے نوبل انعام دیا گیا ہے۔

آج پاکستان میں تعلیم کی اہمیت جتانے پر ملالہ کو امن کے عنوان سے انعام سے نوازا گیا ہے، جیسے اس ملک میں تعلیم نام کی کوئی شئے موجود نہ ہو۔ ملالہ کو ایک ماورائی طاقت کی حامل لڑکی ظاہر کیا جارہا ہے، جو کہ اپنے مخالفوں سے جان کی بازی لڑ کر جیتتی ہے۔ جس طرح فلموں میں دکھایا جاتا ہے کہ ایک چھوٹی سی بچی معاشرے کے بُرے کرداروں سے لڑتی ہے اور تمام کو پچھاڑ دیتی ہے۔ ملالہ کو اسی انداز میں فلمی ہیروئن ثابت کیا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ملالہ نے یورپ کے لکھے گئے کردار کو بڑے ہی اسلوب سے نبھایا ہے، مگر صرف ایکٹنگ کی حد تک۔ ورنہ اگر وہ واقعی ایسے کردار کی حامل تھی تو وہ ملک سے باہر کیوں گئی، یہیں اسی ملک میں رہ کر اس کو نبھاتی رہتی۔ مگر اس کا ماسٹر مائنڈ کوئی اور ہے۔ ملالہ کو جو انعام ملا وہ اپنی اس کتاب کی بدولت عطاء ہوا جس میں اس نے پاکستان کے آئین کو فرسودہ قرار دیا، جس میں اس نے سلمان رُشدی کی کتاب کو آزادیٔ اظہار کا شاہکار قرار دیا، جس میں اس نے قادیانیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم قرار دینے کو غلط کہا ہے، جس میں اس نے قرآن میں دیئے گئے مردوعورت کے مقام کو غلط کہا ہے، جس میں اس نے پاکستان میں عورتوں کو مظلوم ثابت کیا، جس میں اس نے پاکستان میں عورتوں پر تعلیمی پابندیوں کو بہانہ بنایا اور جس کی کتاب کا حاصل صرف اور صرف یہ ہے کہ پاکستان ایک ناکام دہشت گرد ریاست ہے، اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ پاکستان میں علم کا مستقبل کوئی نہیں۔ یہ پروپیگنڈہ کوئی نیا نہیں ڈیڑھ سو سال پرانا ہے، جب سے برصغیر میں انگریز نے اس کی باگ ڈور سنبھالی ہے۔

آیئے ہم اس کا تاریخی طور پر کچھ جائزہ لیں۔

برصغیر میں انگریز ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے داخل ہوا، اور اس نے اسی مٹی سے غداری کر کے یہیں سے غدار خریدے، یہاں تک کہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے مقام پر سراج الدولہ حیدر علی کی فوجوں اور پھر سلطان ٹیپو کی فوجوں پر غلبہ پاکر اس نے اپنی حکومت کی ابتدا کی۔ اس میں انگریز کے لئے آسانی اسی مٹی کے غداروں نے پیدا کی، جنہیں میر صادق اور میر

جعفر کہا جاتا ہے۔ پھر ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے مسلمانوں نے ہمت کر کے انگریز راج کے خلاف بغاوت کی مگر پھر یہاں پر غداروں نے کام دکھایا اور انگریزی راج نہ صرف بچ گیا بلکہ اب مکمل طور پر ہندوستان میں انگریزی راج قائم ہو گیا۔ اس کے بعد انگریز کے وفادار یہ لکھتے اور کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ دیکھو مسلمان حکمرانوں نے یہاں کے لوگوں کو تعلیم نہیں دی تھی، انگریز نے آ کر یہاں پر یونیورسٹیاں اور کالج کھولے۔ یعنی اس سے پہلے ہندوستان میں جہالت ہی جہالت تھی، علم کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ یہی تاریخ کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔

تاریخ یہی بتلاتی ہے کہ انگریز نے یہاں پر سب سے پہلے علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی بنائی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۸۵۷ء سے لے کر علی گڑھ یونیورسٹی کے قیام تک اس درمیانی عرصہ میں انگریز نے کوئی تعلیمی کام سرانجام نہیں دیا۔ صرف غداروں کی خرید وفروخت میں لگا رہا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے لئے اس کی بنیاد ۱۸۷۳ء میں رکھی گئی۔ پھر ۱۸۷۷ء میں باقاعدہ یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا۔ اس کے لئے انگریز نے کیا پاپڑ بیلے؟ اس کے متعلق چند باتیں ذہن میں رکھی جائیں۔

پہلی بات یہ کہ انگریز نے ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۸۷۳ء تک اپنا انتظام چلانے کے لئے برطانیہ سے بھیجے گئے چند سو انگریزوں کے علاوہ تمام عملہ ہندوستان ہی کے افراد سے لیا تھا، جو کہ ہندوستان ہی میں ہندوستان ہی کے مسلمان بادشاہوں یا مسلمان علماء کے بنائے ہوئے مدارس اور انہی کے نصاب تعلیم سے فیض یافتہ تھے۔ انگریز کے کسی اسکول یا کالج سے پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ یہ انہی لوگوں کے شاگرد یا فیض یافتہ تھے جنہوں نے مسلمان حاکموں کے زیر تحت رہ کر تقریباً ایک ہزار سال تک ہندوستان کا نظام حکومت چلایا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس وقت ہندوستان کا سکہ رائج الوقت کی قیمت یہ تھی کہ ہندوستانی ایک روپیہ کے پچاس برطانوی پاؤنڈ ملتے تھے، اس حساب سے امریکہ کے ڈالر ہندوستانی ایک روپے کے ۱۰۰ار ہوا کرتے تھے۔ جنہوں نے ہندوستان کے روپیہ کی قیمت یہاں تک پہنچا دی تھی، یہ لوگ کون تھے، کہاں سے پڑھے ہوئے؟ صاف ظاہر ہے کہ کسی آکسفورڈ یا کیمبرج کی یونیورسٹی سے پڑھے نہیں تھے، ہندوستان کی درسگاہوں سے ہی پڑھے تھے، یہ مسلمان مدارس کا ہی فیض تھا۔ فارس سے آئے ہوئے مسلمان فاتحین کی زبان چونکہ فارسی تھی، اس لئے ہندوستان کی سرکاری زبان فارسی تھی۔ اسی لئے ہندوستان میں تعلیمی اداروں کو مکتب، مدرسہ، دارالعلوم کہا جاتا تھا اور جب انگریز آیا تو ان میں انگریزی آ گئی۔ پھر انہی کو

فیصل
32 اجزاء سے تیار کردہ
معجون قوت دماغ زعفرانی
● ذہنی دباؤ، تھکاوٹ، بے خوابی، نسیان اور اعصابی کمزوری کا اکسیر علاج
● چہرے کی شادابی، حافظہ کی کمزوری، نظر کی بہتری کیلئے بہترین ٹانک
● نظام ہضم کی درستگی، شوگر اور بلڈ پریشر کے مریضوں کیلئے انمول تحفہ
● ہر موسم اور ہر عمر کی خواتین وحضرات میں یکساں مفید
● معدہ وجگر کی کمزوری اور گرمی کا بہترین علاج
● مسلسل استعمال بھرپور جوانی کی ضمانت
قیمت -/1200 روپے وزن 600 گرام
قیمت -/650 روپے وزن 300 گرام
اجزائے معجون
پاکستان بھر میں بذریعہ ڈاک فری ہوم ڈلیوری 0314-3085577

فیصل
قیمت 1200 روپے 2 لیٹر
عرقِ نایاب
موٹاپا، گیس، بدہضمی اور بڑھے ہوئے پیٹ کا مکمل علاج
فیصل عرق نایاب
فیصل عرق نایاب
موٹاپا کو مکمل ختم کر کے جسم سے فاسد مادوں کو خارج کرتا ہے۔
چہرے کے کیل مہاسے، چھائیاں، پھوڑے، پھنسیوں کا قدرتی علاج
پاکستان بھر کے تمام بڑے شہروں میں فری
ہوم ڈلیوری 0314-3085577

Faisal Foods فیصل فوڈز ستارہ پلازہ ڈی گراؤنڈ پیپلز کالونی فیصل آباد

اسکول، کالج اور یونیورسٹی کہا جانے لگا۔ ہمارے کرم فرماؤں نے یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ دیکھو مسلمان حکمرانوں نے ہندوستان میں عیاشی کی مگر کالج اور یونیورسٹی نہیں بنائی۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ ہندوستان انگریز کے حاکم بننے سے پہلے بڑے بڑے اہل علم کہاں سے آگئے۔ مذہبی اعتبار سے شاہ ولی اللہ جیسی شخصیات پیدا کیں۔ پھر شبلی نعمانی، سرسید احمد خان، الطاف حسین حالی اور انگریز کے نظام حکومت چلانے والے ہندوستانی کہاں سے پیدا ہو گئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انگریز نے ۱۷۵۷ء سے لے کر ۱۸۷۳ء تک یعنی علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی بنانے سے پہلے کوئی تعلیمی ادارہ قائم نہیں کیا۔ اگر کوئی تعلیمی ادارہ تھا تو وہ بھی صرف ان انگریز آفیسروں کی اولادوں کے لئے تھا جو کہ برطانیہ سے ہندوستان میں حکومت کرنے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ انگریز کو ہندوستان میں علی گڑھ میں مسلمانوں ہی کے لئے یونیورسٹی بنانے کا خیال کیوں آیا، ہندوؤں کے لئے ادارے بنانے کا کیوں خیال نہیں آیا۔ اس کو سمجھنے کے لئے چند تاریخی حقائق ذکر کر دینا مناسب ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد بچے کھچے اہل علم نے دینی ادارے قائم کرنا شروع کر دیئے۔ ۱۸۶۱ء میں خاندان علماء لدھیانہ نے لدھیانہ شہر میں مدرسہ اللہ والہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ خاندان علماء لدھیانہ نے انگریز کے خلاف فرضیت جہاد کا فتویٰ بھی دیا اور بذات خود بھی اس میں شریک ہوئے۔ پھر یوپی کے ایک قصبہ دیوبند میں ۱۸۶۷ء میں دارالعلوم کا قیام سرفہرست ہے۔ اس کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے۔ یہ دونوں بزرگ ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف اپنے علاقے میں جنگ لڑ چکے تھے۔ انگریز کے خلاف جنگ میں کئی سو علماء شہید ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے اہل علم کی کمی واقع ہوگئی تھی۔ نیز یہ کہ انگریز کے مکمل قبضہ کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہو چکا تھا۔ نیز یہ کہ پورا ہندوستان انگریز کا غلام بن چکا تھا۔ ان حالات کو دیکھ کر یہ دونوں بزرگ دہلی سے تقریباً دو سو میل دور دیوبند نامی ایک بستی میں انار کے درخت کے نیچے ایک مدرسہ کا قیام لائے۔ ایک استاذ تو ملا محمودؒ اور ایک شاگرد محمود الحسنؒ نے ابتدا کر دی۔ جس کے بعد اللہ نے بہار لگا دی۔ جب یہ مدرسہ پھلنے پھولنے لگا تو انگریز کے کان میں سرگوشی کی گئی کہ جو لوگ آپ کے خلاف جنگ میں شریک تھے، انہوں نے ایک تعلیمی دارالعلوم دیوبند کی بستی میں قائم کیا ہے، آنے والے وقت میں ہمارے لئے یہ بہت بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ انگریز سمجھدار تھا، اس نے مسلمانوں سے پنجہ آزمائی کی تھی، اسے معلوم تھا کہ ان سے دوبارہ لڑائی میں ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔ ہم اس وقت تک ہندوستان کے مسلمانوں پر قابو نہیں پاسکتے جب تک ان میں اپنے لئے وفادار تلاش نہیں کئے جاتے، بڑا نقصان بھی ہوسکتا ہے، اس لئے ان کو نہ چھیڑا جائے۔ یہاں میں پھر یاد دلانا چاہتا ہوں کہ انگریز نے ابھی تک ہندوستان میں کوئی تعلیمی ادارہ قائم نہیں کیا تھا، صرف مسلمان علماء کے مدارس ہی قائم تھے۔ چنانچہ انگریز نے اپنے طور پر اس کا جائزہ لیا اور فیصلہ کیا کہ مسلمان مدارس کے مقابلے میں اپنا نظام تعلیم نافذ کیا جائے۔ چنانچہ انگریز نے ۱۸۶۹ء میں ڈاکٹر ولیم ہنٹر کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا، پھر انگریز پادریوں کا ایک وفد ہندوستان کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ ان دونوں کی رپورٹ یہ تھی کہ مسلمانوں کا مذہبی عقیدہ یہ ہے کہ وہ کسی غیر ملکی حکومت کے زیر سایہ نہیں رہ سکتے اور ان کے لئے غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہے۔ اس تصور سے مسلمانوں میں ایک جوش اور ولولہ ہے، وہ جہاد کے لئے ہر لمحہ تیار رہتے ہیں۔ ان کی کیفیت کسی وقت بھی انہیں غیر ملکی حکومت کے خلاف ابھار سکتی ہے۔ ہم اس سے پہلے برصغیر کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی سے شکست دے چکے ہیں۔ لیکن وہ مرحلہ اور تھا کیونکہ اس وقت فوجی نقطہ نظر سے غداروں کی تلاش کی گئی تھی۔ مگر اب جبکہ ہم برصغیر کے چپہ چپہ پر حکمران ہو چکے ہیں اور ہر طرف امن و امان بھی بحال ہو گیا ہے، تو ان حالات میں ہمیں کسی ایسے منصوبہ پر عمل کرنا چاہئے جو یہاں کے باشندوں کے داخلی انتشار کا باعث ہو۔

انہی دنوں برطانوی پارلیمنٹ میں وزیر اعظم انگلستان مسٹر گلیڈسٹون نے تقریر کے دوران قرآن کریم ہاتھ میں لے کر کہا کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے، ہم اطمینان سے حکومت نہیں کر سکتے۔ یہ فقرہ کہتے ہوئے وزیر اعظم برطانیہ نے کلام الٰہی کو زمین پر دے مارا۔ اسی اجلاس میں وزیر ہند نے کہا کہ اس ہاؤس میں میری تجویز ہے:

"ہندوستان میں ایسی تعلیم رائج کی جائے جس کے ذریعے ہر ہندوستانی لباس، بول چال، رہن سہن اور طرز تمدن میں انگریز معلوم ہونے لگے۔ چاہے وہ عیسائی نہ بھی ہو مگر زندگی کے ہر شعبہ میں انگریز دکھائی دے۔"

ہندوستان کی سلطنت مسلمانوں سے چھینی گئی تھی۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ بھی مسلمان علماء نے دیا تھا۔ نیز مسلمانوں نے بہادر شاہ ظفر کو دہلی کے تخت پر دوبارہ بٹھانے کے لئے ہندوؤں کو ساتھ ملا کر انہیں مسلح بغاوت پر آمادہ کیا۔ ان حالات میں انگریز کے نزدیک اصل مجرم مسلمان تھا اور آئندہ بھی برطانوی راج کو ہندوستان میں اگر کوئی خدشہ ہوسکتا تھا تو وہ بھی مسلمانوں سے۔ ان

حالات میں لندن کے مجوزہ فیصلے اور وزیراعظم برطانیہ کی رائے اور وزیر ہند کی تجاویز کا زیادہ وزن ہندی مسلمانوں پر ڈالا گیا۔

وزیر ہند اور ہندوستانی پادریوں کی تجویز کے تحت ہندوستان سے ایسے آدمیوں کی تلاش ہونے لگی جن کے ذریعہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں سے ۱۸۵۷ء کے جذبات کا خاتمہ ہو سکے اور جذبۂ جہاد کو بھی ختم کیا جاسکے۔ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انگریز کی نظر انتخاب سرسید احمد خان پر پڑی۔

انگریز بڑا عیار ہے، اس نے جس قوم کو تباہ کیا اس کے لئے اسی قوم کے افراد سے لوگوں کو چنا اور ایسے کردار کے لوگوں کو آگے لایا جو بظاہر اس قوم میں عزت دار سمجھے جاتے تھے۔ سرسید احمد خان ایک ایسے شخص تھے جو کہ اس دور میں مسلمانوں میں کافی مشہور تھے۔

۱۸۳۹ء میں سرسید کو کمپنی کی ملازمت میں سرشتے دار کی معمولی آسامی ملی۔ ۱۸۴۱ء میں منصفی کا امتحان پاس کرلیا اور ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۵ء تک دہلی میں منصف کے عہدے پر مامور رہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ حریت میں انگریزوں کی جانیں بچانے کے سلسلے میں آپ کو ۱۸۶۲ء میں صدر الصدور بنادیا گیا۔

سرسید احمد خان کو ۱۸۶۹ء کو انگلستان بلایا گیا، اور ان کو ۱۸۷۰ء میں انگلستان سے واپس ہندوستان بھیجا گیا، یادرہے یہی وہ سال ہے جب کہ لندن میں وہ کانفرنس ہورہی تھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، تو انہوں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تگ ودو شروع کردی تھی۔ کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان کا قیام اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ اس کی تجاویز کے مطابق محمڈن کالج فنڈ کمیٹی کی تشکیل کی گئی جو مجوزہ کالج کے لئے چندہ کی فراہمی کی ذمہ دار ٹھہرائی گئی تھی۔

حکومت ہند نے، جسے اس فیصلے کی اطلاع دی گئی تھی اس تجویز کو بہت پسند کیا اور لکھا کہ شمال مغربی اضلاع کے مسلمانوں کی یہ تجویز اس بات کی مستحق ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حکومت اس میں مدد دے۔ لارڈ نارتھ بروک وائسرائے ہند نے اپنی جیب سے دس ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ ۱۸۷۳ء میں مدرسہ کی اسکیم مکمل کرلی گئی۔ مولوی سمیع اللہ خاں کے زیر انتظام اس مدرسہ کا افتتاح ۲۴؍مئی ۱۸۷۵ء کو سر ولیم میور کے ہاتھوں ہوا۔ محمڈن کالج فنڈ کے سیکریٹری کو چندہ جمع کرنے میں کافی کامیابی ہوئی۔

نظام حیدرآباد نے نوے ہزار روپے دیئے اور چھ ہزار روپیہ سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔ مہاراجہ پٹیالہ نے اٹھاون ہزار روپیہ دیا۔ راجہ بنارس جو کہ کٹر ہندو تھا اور مسلمانوں کے خلاف ہروقت سازشیں کیا کرتا تھا، اس نے بھی اس یونیورسٹی کے بنانے میں مالی تعاون کیا۔ (اگر یہ تعلیمی اسکیم صرف مسلمانوں کی ترقی کے لئے تھی تو مہاراجہ پٹیالہ اور راجہ بنارس نے بھرپور مالی تعاون کیوں کیا؟ اسی سے شبہ ہوتا ہے کہ تعلیمی ترقی کی اسکیم میں انگریز کی نیت نیک نہیں تھی) نواب آف رام پور نے بھی بہت مدد کی۔ حکومت نے بیالیس سو روپیہ سالانہ گرانٹ منظور کی، بعد میں اضافہ کردیا گیا اور گرانٹ بارہ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کی گئی۔ الغرض اتنا چندہ جمع ہوگیا تھا کہ کالج کا آغاز کیا جاسکے۔ چنانچہ ۸؍جنوری ۱۸۷۷ء کو ایم او کالج علی گڑھ کا افتتاح لارڈ لٹن کے ہاتھوں ہوا۔ (تاریخ پاکستان، ص ۱۸۶)

(جاری ہے)

کے وجود مسعود کو غنیمت سمجھ کر اُن کی صحبت سے خوب استفادہ کیا جائے۔

اُستاذ محترم رحمہ اللہ نے ۱۹۲۸م میں اس دنیا میں آنکھ کھولی اور ۳؍نومبر ۲۰۱۴ء کو انتقال ہوا، اُستاذ محترم رحمہ اللہ زندگی کے چھیاسی سال اس طرح گزار کے گئے ہیں کہ اُن پر فخر کیا جاسکتا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ بھی اُن سے راضی ہوں گے اور آخرت میں اُن کے ساتھ اعزاز واکرام والا معاملہ فرمائیں گے، ان شاء اللہ العزیز۔

اُستاذ محترم رحمہ اللہ کے پسماندگان میں صُلبی اَولاد: دو بیٹیاں اور ایک بیٹا (ماشاء اللہ سب شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں) اور روحانی اَولاد: لاکھوں فرزندان شامل ہیں، جس طرح اُستاذ محترم رحمہ اللہ کی صُلبی اولاد تعزیت کی مستحق ہے، بالکل اسی طرح آپ کے لاکھوں روحانی فرزندان بھی تعزیت کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل اور حضرت کا نعم البدل نصیب فرمائے۔

یہ باتیں اُن کی یاد رہیں گی

اُستاذ محترم رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت مولانا عبیداللہ خورشید صاحب حفظہ اللہ علمی، عملی، تبلیغی اور روحانی لائن میں ماشاء اللہ ہو بہو اپنے والد صاحب کے قدم بقدم ہیں، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بھی خوب سے خوب اَخلاقِ کریمہ اور خصائلِ حمیدہ سے نوازا ہے، آپ مجموعی طور پر طلبا کرام اور اساتذہ کرام میں مقبول ترین شخصیت ہیں، طلبا کرام کی ایک بڑی اکثریت فراغت کے بعد علمی، عملی، تدریسی و تبلیغی میدان میں آپ سے ہی مشاورت رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں تدریسی لائن میں بھی خوب مہارت اور ملکہ عطا فرمایا ہے، مدرسہ عربیہ رائے ونڈ میں درجہ عُلیا تک کی کتب آپ کے زیر تدریس ہیں، اب تک درسِ نظامی کی تقریباً تمام اہم کتب کی تدریس کا تجربہ حاصل کرچکے ہیں، بندہ نے حضرت زید مجدہ سے ۲۰۰۷م میں تفسیر جلالین حصہ دوم پڑھی، ماشاء اللہ اندازِ تدریس اور حلِ کتاب اور متعلقہ مباحث پر سیر حاصل گفتگو کرنا آپ کا وصف ممتاز ہے، اللّٰھم زد فزد، اللہ رب العزت آنجناب کا مبارک سایہ تادیر ہمارے سروں پر بعافیت قائم رکھے اور جہاں اُن سے دین متین کی مبارک خدمات لے وہاں ہم ضعفاء کو بھی اُن کے علوم اور صلاحیتوں سے خوب سے خوب استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، نیز! اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اُستاذ محترم حضرت مولانا جمشید علی خان صاحب رحمہ اللہ کو اپنے مہمان خانے میں اعلیٰ مقام میں جگہ مرحمت فرمائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس اور قرب نصیب فرمائے اور ہم ضعفاء کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ ☆☆

مرزائی اپنے آپ کو "احمدی" کیوں کہتے ہیں؟

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ

س:...... "غلام احمدی" طبقہ نہ صرف دشمن دین و ایمان ہے بلکہ ان کا مطمح نظر پاکستان پر تسلط ہے، جس طرح یہودیوں کا مطمح نظر اور مقصد مدینہ منورہ پر قبضہ کرنا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ "احمد" نام ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہم اسے مرزائی فرقہ کی طرف منسوب کریں۔ مرزائیوں اور قادیانیوں کو غلام احمدی ہی کہنا چاہئے۔

ج:...... "احمدی یا فرقہ احمدیہ" کا لفظ مرزا غلام احمد قادیانی نے حضور گورنمنٹ برطانیہ سے اپنی جماعت کے لئے رجسٹرڈ کرایا تھا۔ (دیکھئے اشتہار واجب الاظہار، ملحقہ تریاق القلوب از مرزا غلام احمد قادیانی)

"احمدی" کہلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور یہ کس کی طرف انتساب ہے؟ اس کے جواب میں مرزائیوں کی طرف سے کہا جاتا ہے (اور جن لوگوں کو قادیانی لٹریچر کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا وہ بھی یہی سمجھتے ہیں) یہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نسبت ہے، مگر یہ خالص دجل و تلبیس ہے۔ قادیانی امت کا عقیدہ یہ ہے کہ:

۱:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں دوبار مبعوث ہونا تھا۔

۲:... پہلی بار آپ مکہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیثیت سے مبعوث ہوئے اور دوسری بار قادیان میں مرزا غلام احمد قادیانی کے رُوپ میں "احمد" کی حیثیت سے مبعوث ہوئے۔

۳:... پہلی بعثت "محمدیت" کہلاتی ہے اور دوسری احمدیت۔

۴:... عیسیٰ علیہ السلام نے "احمد رسول" کی جو پیشگوئی فرمائی تھی، اس کا تعلق دوسری بعثت سے یا بلفظ صریح مرزا غلام احمد قادیانی کی بعثت سے ہے۔

۵:... مرزا غلام احمد قادیانی کی آمد تک "محمدیت" کا دور تھا اور مرزا قادیانی کی آمد سے احمدیت یعنی دوسری بعثت کا دور شروع ہوا۔

۶:... اور یہ قادیانی بعثت، مکی بعثت سے اکمل اور افضل ہے۔

۱:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہزار ششم تھا (مرزا غلام احمد قادیانی کا نظریہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بعثت دنیا کی عمر کے پانچویں ہزار میں ہوئی تھی اور دوسری بعثت بشکل مرزا قادیانی چھٹے ہزار کے آخر میں ہوئی ہے۔ جس طرح پہلی بعثت کا منکر کافر ہے، اسی طرح قادیانی بعثت کا منکر بھی کافر بلکہ بڑا کافر ہے، کیونکہ قادیانی بعثت، مکی بعثت سے اکمل ہے) جو اسم محمد کا مظہر تجلی تھا یعنی یہ بعثت اول جلالی شان ظاہر کرنے کے لئے تھا مگر بعثت دوم جس کی طرف آیت کریمہ "وآخرین منھم" میں اشارہ ہے، وہ مظہر تجلی اسم احمد ہے...... جو اسم جمالی ہے، جیسا کہ آیت: "مبشراً برسول یأتی من بعدی اسمه احمد" اسی طرف اشارہ کررہی ہے۔" (تحفہ گولڑویہ ص:۱۵۶)

۲:... "جس نے اس بات سے انکار کیا کہ نبی علیہ السلام کی بعثت چھٹے ہزار سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ پانچویں ہزار سے تعلق رکھتی تھی، پس اس نے حق کا اور نص قرآن کا انکار کیا، بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت چھٹے ہزار کے آخر میں یعنی ان دنوں میں (جبکہ آپ بشکل مرزا مبعوث ہوئے) یہ نسبت اُن (پہلی بعثت کے) سالوں سے اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے۔" (خطبہ الہامیہ ص:۱۸۱)

۳:... "قرآن کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ اس نے "اسم احمد" عیسیٰ سے بطور حکایت نقل کیا اور اسم "محمد" موسیٰ سے، تاکہ معلوم ہوجائے کہ جلالی نبی یعنی موسیٰ نے (اپنی پیشگوئی میں) جلالی نام یعنی "محمد" اختیار کیا، جو ان کی شان کے مشابہ تھا اور عیسیٰ چونکہ جمالی نبی تھے اور انہیں قہر و قتال نہیں دیا گیا تھا، اس لئے انہوں نے اپنے مثیل نام کی طرف اشارہ کیا۔ (قادیانی نظریہ کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں اور مرزا قادیانی مثیل عیسیٰ ہے، اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت محمد رسول اللہ کے نام سے دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مرزا قادیانی کی بشارت "اسم احمد" سے دی)۔" (اعجاز المسیح ص:۱۲۳)

۴:... "اور عیسیٰ نے اپنے قول:

"کزرع اخرج شطاہ" سے اُن لوگوں کی طرف جو "آخرین منھم" کا مصداق ہیں (یعنی مرزائی) اور اُن کے امام مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی طرف اشارہ کیا بلکہ اس کا نام "احمد" صراحتاً ذکر کردیا۔" (اعجاز المسیح ص:۱۲۳)

"ان تمام حوالہ جات سے یہ بات یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہے کہ سورۂ صف میں جس "احمد رسول" کے متعلق عیسیٰ علیہ السلام نے پیشگوئی کی ہے وہ "احمد" مسیح موعود (مرزا قادیانی) ہی ہے، جس کی بعثت حسب وعدۂ الٰہی: "وآخرین منھم" خود نبی کریم کی بعثت ہے۔" (کلمۃ الفصل مولفہ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد قادیانی ص:۱۴۱، مندرجہ ریویو آف ریلیجنز، مارچ واپریل ۱۹۱۵ء)

۵:... "جس نے مسیح موعود (مرزا قادیانی) کی بعثت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ثانی نہ جانا، اس نے قرآن ..... ڈال دیا، کیونکہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ محمد رسول اللہ ایک بار پھر (قادیان میں بشکل مرزا...... دنیا میں آئے گا)۔" (کلمۃ الفصل ص:۱۰۵)

۶:... "مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے اور اگر مسیح موعود (مرزا) کا منکر بھی کافر نہیں، کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پہلی بعثت میں تو آپ کا منکر کافر ہو مگر دوسری بعثت میں، جس میں بقول حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) آپ کی روحانیت اقویٰ اور اکمل اور اشد ہے، آپ کا انکار کفر نہ ہو۔" (کلمۃ الفصل ص:۱۴۷)

۷:... "پانچواں اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر نبی کریم کے بعد مرزا صاحب بھی ایسے نبی ہیں کہ ان کا ماننا ضروری ہے تو پھر مرزا صاحب کا کلمہ کیوں نہیں پڑھتے؟" تو اس کا جواب یہ ہے کہ ...... اگر ہم بفرض محال یہ بات مان بھی لیں کہ کلمہ شریف میں نبی کریم کا اسم مبارک اس لئے رکھا گیا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں تو تب بھی کوئی حرج واقع نہیں ہوتا اور ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آئی، کیونکہ مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) نبی کریم سے کوئی الگ چیز نہیں ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے: "صار وجودی وجودہ" نیز "من فرق بینی وبین المصطفیٰ فما عرفنی ومارأی" اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ اور خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا جیسا کہ آیت "وآخرین منھم" سے ظاہر ہے (چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق قادیان میں پھر خاتم النبیین کو مرزا غلام احمد کی شکل میں مبعوث کردیا) پس مسیح موعود (مرزا غلام احمد قادیانی) خود محمد رسول اللہ ہے، جو اشاعت اسلام کے لئے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے، اس لئے ہم کو کسی نئے کلمہ کی ضرورت نہیں، ہاں! اگر محمد رسول اللہ کی جگہ کوئی اور آتا تو ضرورت پیش آتی۔" (کلمۃ الفصل ص:۱۵۷، ۱۵۸)

۸:...

محمد پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شان میں
محمد دیکھنے ہوں جس نے اکمل
غلام احمد کو دیکھے قادیاں میں

(پیغام صلح لاہور ۱۴ مارچ ۱۹۱۶ء)

۹:...

صدی چودھویں کا ہوا سر مبارک
کہ جس پر وہ بدرالدجیٰ بن کے آیا
محمد پئے چارہ سازی اُمت
ہے اب احمد مجتبیٰ بن کے آیا
حقیقت کھلی بعثت ثانی کی ہم پر
کہ جب مصطفیٰ میرزا بن کے آیا

(الفضل، ۲۸ مئی ۱۹۲۸ء)

۱۰:...

اے مرے پیارے مری جان، رسول قدنی
تیرے صدقے، تیرے قربان، رسول قدنی
آسمان اور زمیں تونے بنائے ہیں نئے
تیرے کشفوں پہ ہے ایمان، رسول قدنی
پہلی بعثت میں "محمد" تھا تو اب "احمد" ہے
تجھ پہ پھر اترا ہے قرآن رسول قدنی

قادیانی لٹریچر کے بے شمار حوالوں سے یہ دس حوالے اس نکتہ کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ مرزائیوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا دور تیرھویں صدی پر ختم ہوچکا۔ اب چودھویں صدی سے مرزا غلام احمد قادیانی کے روپ میں دوسری بعثت کا دور شروع ہوا ہے (مرزا غلام احمد قادیانی کے نزدیک دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے اور اس کی تقسیم یہ ہے کہ پہلا ہزار نیکی اور ہدایت کا، دوسرا شیطان کا، تیسرا پھر نیکی اور ہدایت اور چوتھا پھر شیطان کا، پانچواں ہزار پھر نیکی اور ہدایت کا اور چھٹا پھر شیطان کا، مرزا قادیانی کا کہنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پانچویں ہزار میں مبعوث ہوئے تھے، تین سو سال تک نیکی کا زمانہ رہا، چوتھی صدی ہجری سے شیطان والا چھٹا ہزار شروع ہوکر تیرھویں صدی پر اختتام پذیر ہوا، اور اب ساتواں ہزار خدا کا اور مسیح (مرزا) اور خیر وبرکت وغیرہ وغیرہ کا زمانہ ہے (لیکچر لاہور ۳ نومبر ۱۹۰۴ء، ص:۳۰) گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دور تیسری صدی پر ختم ہوگیا، پھر ایک ہزار سال تک شیطان کا دور رہا اور اب مرزا قادیانی کا دور ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون) پہلا دور "محمدیت" کا تھا اور یہ

نیا دور "احمدیت" کا ہے، اس لئے مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی جماعت کا نام "احمدی" رجسٹرڈ کرایا۔ گویا "احمدی" وہ لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بعثت پر (جو قادیان میں ہوئی) ایمان لاتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی کو احمد مجتبیٰ اور "اسمہ احمد" کا مصداق سمجھتے ہیں۔ مرزا غلام احمد نے جگہ جگہ ظلی اور بروزی نبوت کا ظہور فرمایا ہے اور اب چودھویں صدی سے مرزا غلام احمد ی محمد رسول اللہ ہے۔ استغفر اللہ۔ یہ ہے مرزائیوں کے "احمدی" کہلانے کا اصل فلسفہ۔ ☆

تبصرۂ کتب

(نوٹ: تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے)

نام کتاب: تفہیم الفقہ (دو جلدیں)

مولف: ابو یوسف مفتی نعیم صاحب

(رئیس دارالافتاء جامعہ اشرف المدارس)

قیمت: درج نہیں

ناشر: مکتبۃ النور، کراچی

عقیدہ دین اسلام کی اساس و بنیاد ہے جبکہ اعمال صالحہ (عبادات، اخلاقیات و معاملات وغیرہ) اس کی ظاہری عمارت ہے۔ ظاہر ہے کہ بنیاد جتنی مضبوط ہوگی عمارت اسی قدر پائیدار اور مستحکم ہوگی اور عمارت جس قدر خوبصورت ہوگی، اسی قدر وہ اپنے بسنے والوں کے لئے جاذب، پرکشش اور پرسکون ہوگی، لہٰذا کسی مسلمان کا عقیدہ جس قدر مضبوط و محکم ہوگا اور اعمال جس قدر درست اور قرآن وسنت کے مطابق ہوں گے اس شخص کا ایمان بھی اتنا ہی ٹھوس، مضبوط و پراثر اور پائیدار ہوگا اور اگر عقیدہ ہی کمزور یا غلط ہو تو ایمان اس حساب سے کچا اور متزلزل رہے گا، بلکہ کسی مسلمان کا عمل قابل قبول تب ہوگا جب اس کا عقیدہ درست اور قرآن و سنت کے مطابق ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات میں عقیدہ کی درستگی و پختگی پر بہت ہی زیادہ زور دیا ہے، درست عقیدہ سے اہلسنت والجماعت یعنی صحابہ کرامؓ و تابعینؒ وغیرہ کے مطابق عقیدہ مراد ہے۔ ان دونوں باتوں کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر موصوف مولف زیدہ مجدہ نے کتاب کی تالیف و ترتیب میں دونوں چیزوں کو مدنظر رکھا۔ چنانچہ پہلی جلد عقائد اور دوسری جلد عبادات پر تالیف کی ہے۔

کتاب کی زبان بہت سلیس، انداز بہت جاذب اور پرکشش ہے۔ کتاب کے مضامین اسباق کے اعتبار سے تقسیم کئے گئے ہیں۔ ہر سبق کو بہت ہی مربوط، مدلل اور سہل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ہر سبق کے بعد مشقیہ سوالات دیئے گئے ہیں، جن کے حل کرنے سے پڑھنے والے کو عملاً گزشتہ سبق یاد اور مکمل طور پر ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

پہلی جلد جن اہم مضامین پر مشتمل ہے وہ یہ ہیں:

(۱) ایمان کی حقیقت، شرائط اوصاف، ایمان کی مختلف حیثیتیں، (۲) کفر کے معنی اور اس کی اقسام، (۳) شرک کی حقیقت اور اس کا حکم، (۴) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں عقائد، (۵) حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متعلق عقائد، (۶) فرشتوں کے بارے میں ضروری عقائد، (۷) آسمانی کتابیں، (۸) قیامت اور علامات قیامت، (۹) خروج دجال، (۱۰) عالم آخرت، (۱۱) جنت، (۱۲) صحابہ کرامؓ کے متعلق درست نظریات، (۱۳) معجزات، (۱۴) فرق باطلہ، (۱۵) سنت اور بدعات وخرافات، (۱۶) فتنۂ انکار حدیث، (۱۷) تقلید کی اقسام، (۱۸) تقلید کی شرعی حیثیت وغیرہ۔

دوسری جلد مندرجہ ذیل اہم مضامین پر مشتمل ہے: پاکی کے مسائل، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کے احکام ومسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ کتاب ہذا بہت اہم اور ضروری معلومات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے علماء، عوام، مفتیان کرام سب کے لئے یکساں مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب ہذا کو موصوف مؤلف اور جملہ معاونین کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور حضرت مدظلہ مولف کو اس میدان میں مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مبصر: مفتی محمد عبداللہ حسن زئی (دارالافتاء ختم نبوت)

آپ ﷺ کے ہمہ جہتی کمالات کا ادراک کون کرسکتا ہے؟

... پھر حق تعالیٰ شانہ نے پوری کائنات میں سے نبوت ورسالت اور ختم نبوت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا، آپ کا وجود مبارک مرکز ایمان و اہل ایمان ہے، قلب مبارک تجلیات الٰہیہ سے رشک شعلہ صد طور ہے، سینہ مبارک اسرار الٰہیہ کا امین اور علوم ربانیہ کا سرچشمہ ہے، علوم الاولین والآخرین کا بحر بے کراں آپ کی قوت قدسیہ میں ودیعت ہے، وجود مبارک کو دنیا کی آلائشوں، نفسانی خواہشوں اور بشری چاہتوں سے پاک وصاف کردیا گیا ہے، دل ودماغ اور زبان پر عصمت کا پہرہ بٹھادیا گیا تاکہ غبار بشریت کا کوئی شائبہ بھی دامن رسالت کو آلودہ نہ کرسکے، گوش مبارک غیب سے پیام سروش سن رہے ہیں، چشمان مبارک جنت ودوزخ، قبر وحشر وغیرہ کا مشاہدہ کررہی ہیں، آسمان سے فرشتے نازل ہوکر مناجات کی سعادت حاصل کرتے ہیں، جبریلؑ ومیکائیل وزیر ومشیر ہیں، ابوبکرؓ وعمرؓ مصاحب وہمدم ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام کے قدسی صفات مجمع میں سیادت وقیادت کا تاج فرق اقدس پر سجایا جاتا ہے اور آپ کو امام الانبیاء کے منصب پر فائز کیا جاتا ہے، کیا کسی فرد بشر کے لئے ممکن ہے کہ آپ کی علو استعداد، عبدیت وخشیت، حسن وجمال، جاہ وجلال، عزت ورفعت، طہارت ونزاہت اور آپ کے ہمہ جہتی کمالات کا ادراک کرسکے؟ کلا ورب الکعبہ...

(حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ... تحفہ قادیانیت ج:۳ ص:۲۰۴)

ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے قریبی عزیز، سابق قادیانی مربی

جناب محمد نذیر کے قبولِ اسلام کی سرگزشت

قسط:۶

منصور اصغر راجہ

قادیانیت سے تائب ہونے والے سابق قادیانی مربی محمد نذیر نے اپنی داستانِ حیات سناتے ہوئے بتایا:

"جب مجھے ایڈیشنل سیشن جج چنیوٹ کی عدالت میں پیش کرنے کے لئے لے جایا جارہا تھا تو میں مسلسل یہی سوچ رہا تھا کہ میں عدالت میں اپنی بے گناہی کیسے ثابت کروں گا۔ پولیس کا مجھ پر سخت دباؤ تھا کہ میں عدالت میں پولیس تشدد کے متعلق یا پولیس کے خلاف ایک لفظ بھی نہ کہوں۔ ایس ایچ او تھانہ چناب نگر نے عدالت لے جانے کے لئے مجھے ڈبل ہتھکڑی لگائی اور ساتھ ہی یہ دھمکی بھی دی کہ "یاد رکھنا، اگر تم نے ہمارے خلاف ایک لفظ بھی بولا تو واپس ہمارے پاس ہی آنا ہے۔" پولیس کے بہیمانہ تشدد نے میرا دماغ اس قدر ماؤف کر دیا تھا کہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ دنیا کو کیسے بتاؤں کہ ایک باپ اپنی ہی بیٹی کو کیسے اغوا کر سکتا ہے۔ اسی ادھیڑبن میں مجھے عدالت کے کٹہرے میں پہنچا دیا گیا۔ میں جج صاحب کے سامنے کھڑا تھا اور وہ مجھ سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ پھر نہ جانے میرے جی میں کیا آئی کہ میں نے یکدم نیچے سے اپنے آپ کو برہنہ کر دیا۔ میری اس حرکت پر فوری طور پر دو ردعمل ظاہر ہوئے۔ پہلا یہ کہ جج صاحب کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے۔ دوسرا میرے پیچھے کھڑے سب انسپکٹر کا میری گدی پر زوردار تھپڑ پڑا۔ لیکن جیسے ہی جج صاحب کی نظر میرے نچلے حصے پر چلے ہوئے زخموں پر پڑی تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں۔ انہوں نے ایک کڑی نظر سے مجھے لانے والے پولیس اہلکاروں کی طرف دیکھا تو ان کے رنگ پھیکے پڑ گئے۔ اب صورتحال یہ تھی کہ کمرہ عدالت پہ سکوت طاری تھا۔ جج صاحب خاموش بیٹھے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میرا سر جھکا ہوا تھا۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ لب کانپ رہے تھے۔ میں بہت کچھ کہنا چاہ رہا تھا لیکن لفظ میری زبان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد جج صاحب نے میری دل جوئی کے لئے چند ہمدردانہ جملے کہے اور پھر مجھے کسی ڈر اور خوف کے بغیر اپنا مؤقف کھل کر عدالت کے سامنے بیان کرنے کا حکم دیا۔ اس پر میں نے جج صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ "سرکار! میری سمجھ کے مطابق اگر کوئی باپ اپنی ہی بیٹی کے اغوا کا ڈرامہ رچائے تو اس کی تین وجوہات ہوسکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ اس ڈرامے سے کوئی ذاتی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ دوسری یہ کہ اگر کسی کی اپنی بیوی یا سسرال والوں سے کوئی ناچاقی ہو تو وہ انہیں اذیت دینے کے لئے ایسی قبیح حرکت کرتا ہے۔ تیسری یہ کہ بعض لوگ اپنے دشمنوں کو جھوٹے مقدمے میں پھنسانے کے لئے بھی اس طرح کے ڈرامے رچاتے ہیں۔ لیکن میرے کیس میں یہ تینوں باتیں دکھائی نہیں دیتیں۔ میں اس ڈرامے سے کوئی ذاتی مفاد تو کیا حاصل کرتا، الٹا اغواکاروں نے مجھ سے ۴۰ لاکھ روپے تاوان لیا اور یہ رقم بھی میں نے ادھر ادھر سے قرض لے کر پوری کی۔ میں ایک خوشگوار گھریلو زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میری اپنی بیوی سے کوئی ناچاقی ہے نہ سسرال والوں سے کوئی جھگڑا۔ تیسری بات یہ کہ میری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ نہ ہی میرا ایسا کوئی مخالف ہے جسے جھوٹے مقدمے میں پھنسانے کے لئے میں ایسی گھٹیا حرکت کروں۔" جج صاحب نے میری بات اطمینان سے سنی اور پھر پولیس کی سرزنش کرتے ہوئے فوری طور پر میری باعزت رہائی کا حکم دے دیا۔ لیکن رہائی کے بعد بھی جماعت احمدیہ نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ مختلف ذرائع سے ملنے والی دھمکیوں کا سلسلہ تو جاری تھا ہی، اس کے علاوہ بھی جماعت نے میرا حقہ پانی بند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ میری اہلیہ تو اسی وقت مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر اپنے میکے چلی گئی تھی، جب پولیس نے مجھے بیٹی کے اغوا کے الزام میں گرفتار کیا تھا۔ میں نے دوبارہ چناب نگر میں رہائش اختیار کرنے کی کوشش کی تو

جماعت کی طرف سے حکم جاری کیا گیا کہ کوئی بھی شخص مجھے اپنا گھر کرائے پر نہ دے۔ لہٰذا مجھے ایک مضافاتی آبادی میں رہائش اختیار کرنی پڑی۔ ۲۰ لاکھ روپے تاوان کی ادائیگی کے بعد گنے کی ٹھیکیداری تو کہیں پیچھے رہ گئی تھی۔ بلکہ اب تو اس بھاری رقم کی واپسی ہی میرے لئے سوہان روح بنی ہوئی تھی۔ دوسری جانب پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ انہی دنوں میرے ایک غمگسار قادیانی دوست رفیق جٹ نے مجھے مظفرآباد میں نیلم جہلم پراجیکٹ کے بارے میں بتایا کہ اگر میں وہاں کوشش کروں تو مجھے کوئی چھوٹی موٹی نوکری مل سکتی ہے۔ میں نے رفیق جٹ کے مشورے پر عمل کیا تو مجھے وہاں باورچی کی نوکری مل گئی۔ وہاں گزرنے والے چند ماہ قدرے پرسکون تھے۔ لیکن پھر اچانک مجھے وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ نیلم جہلم پراجیکٹ کے ہیڈ آفس لاہور سے لے کر مظفرآباد میں سائٹ تک غیرملکیوں کے علاوہ جو مقامی لوگ کام کر رہے ہیں ان میں صرف دس فیصد مسلمان ہیں، جب کہ ۹۰ فیصد قادیانی ہیں۔ ابتداء میں تو انہوں نے میری خوب آؤ بھگت کی۔ لیکن جیسے ہی انہیں خبر ملی کہ میں جماعت احمدیہ سے بغاوت کے جرم میں آج کل زیر عتاب ہوں تو انہوں نے میرا ایسا ناطقہ بند کیا کہ مجبوراً مجھے وہاں سے نکلنا پڑا۔ واپس آ کر میں نے دوبارہ رفیق جٹ سے رابطہ کیا۔ اس کی چناب نگر میں دودھ دہی کی دکان تھی اور وہ پہلے بھی کئی مواقع پر خاموشی سے میری مدد کر چکا تھا۔ ہم نے باہم مل کر کھیتی باڑی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہم نے چنیوٹ کے کچھ زمینداروں سے رابطہ کر کے ۱۲۲ ایکڑ زرعی اراضی ٹھیکے پر لی اور کام شروع کر دیا۔ کچھ مسلمان دوستوں کی مہربانی سے ادھار پر ضروری زرعی آلات خریدے اور پہلی فصل اترتے ہی ادائیگی کا وعدہ کیا۔ اس کے علاوہ تاوان والے ۲۰ لاکھ روپے کی واپسی کا تقاضا بھی اب بڑھنے لگا تھا۔ مجھے اس کی بھی فکر کھائے جا رہی تھی۔ انہی حالات میں کھیتی باڑی شروع کی اور چاول کی فصل کاشت کی۔ اس دوران میرا سابقہ معمول دوبارہ بحال ہو گیا۔ مسلمان دوستوں سے تعلق پہلے سے زیادہ بڑھ گیا اور اب میں نے کھلے عام ان کی مساجد میں جانا شروع کر دیا۔ جب فصل پک کر تیار ہوئی تو کٹائی کے دوران پہلے میرے والد فوت ہوئے اور پھر تین دن کے وقفے سے بڑے بھائی محمد رفیع بھی انتقال کر گئے۔ اگرچہ وہ لوگ مجھے چھوڑ چکے تھے۔ لیکن باپ اور بھائی کے انتقال پر صدمہ ایک فطری امر تھا۔ چند روز سخت پریشانی میں گزرے۔ اسی دوران رفیق جٹ نے فصل کی کٹائی مکمل کرائی اور تمام فصل غلہ منڈی چنیوٹ میں فروخت کرنے کے بعد خود ہی حساب کتاب کر کے مجھے اطلاع دی کہ ہماری چاول کی پہلی فصل ۶۵ لاکھ روپے کی ہوئی۔ جس میں سے میرے حصے میں ۳۵ لاکھ روپے آئے تھے۔ اس نے مجھے ۱۰ دسمبر ۲۰۱۰ء کو ۳۵ لاکھ روپے کا چیک دیا اور کہا کہ اگلے ایک دو روز میں رقم میرے اکاؤنٹ میں منتقل ہو جائے گی۔ اس چیک کا نمبر A11697458 تھا اور وہ یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ چناب نگر برانچ کا چیک تھا، جہاں رفیق جٹ نے اپنا کرنٹ اکاؤنٹ کھلوا رکھا تھا، جس کا نمبر 01013064 تھا۔ لیکن رقم میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر نہ ہو سکی۔ دو روز بعد بینک نے تحریری طور پر بتایا کہ مذکورہ اکاؤنٹ میں مطلوبہ رقم نہیں ہے۔ بعد میں مجھے کچھ ذرائع سے پتہ چلا کہ جب جماعت کو میری اور رفیق جٹ کی شراکت داری کا علم ہوا تو قادیانی ذمہ داران نے اسے دفتر طلب کر کے سخت سرزنش کی اور اس کے بعد نہ رقم میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہوئی اور نہ ہی رفیق جٹ چناب نگر میں دکھائی دیا۔ وہ وہاں سے ایسے غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اب اصولاً تو چیک ڈس آنر ہونے پر رفیق جٹ کے خلاف قانونی کارروائی ہونی چاہیے تھی، لیکن ایسا نہ ہوا۔ یہاں یہ بھی بتا دوں کہ چناب نگر میں قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہونے والوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے ان پر ڈھائے جانے والے مظالم پر چناب نگر تھانے میں ان کی شنوائی اور دادرسی تو دور کی بات ہے، الٹا پولیس انہیں اپنے مخصوص ہتھکنڈوں کے ذریعے واپس قادیانیت کی طرف لوٹ جانے پر مجبور کرتی ہے۔ اس کی ایک مثال ڈی ایس پی سعید اختر ملہ ہے، جس نے مسلمان ہوتے ہوئے بھی قادیانیوں کے اشارے پر مجھ پر تشدد کرایا۔ اسی طرح جماعت کے مظالم کے خلاف کئی لوگوں کی درخواستیں اب بھی تھانہ چناب نگر میں پڑی ہوئی ہیں، لیکن ان پر کوئی عملدرآمد نہیں ہو رہا۔ چیک ڈس آنر ہونے کی وجہ سے صورتحال یہ ہوئی کہ مجھ پر کم از کم بیس پچیس لاکھ روپے کا قرضہ چڑھ گیا اور میری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی۔ مجبوراً مجھے چناب نگر چھوڑنا پڑا۔"

(جاری ہے)

تحریکِ ختمِ نبوت..... آغاز سے کامیابی تک

قسط:۸

سعود ساحر

قومی اسمبلی کی خصوصی کمیٹی میں مرزا ناصر کا دجل و فریب اپنے عروج پر تھا۔ تاویلات کے پھندے پھیلاتا چلا جارہا تھا، مگر دوسری طرف جھوٹ کے پنکھ کترنے والے بھی علم کے ہتھیاروں سے مسلح ہوکر جہالت کے اندھیروں کو قرآن مجید اور حدیث مبارک کی ہمیشہ روشن رہنے والی قندیلوں سے دور کر رہے تھے اور جھوٹی نبوت کے مدعی کا پوتا ہزار حیلوں بہانوں کے باوجود اپنے کفریہ عقائد کے اقرار پر مجبور تھا، یوں انگریز کا خودکاشتہ بدبودار پودا جڑوں سے اکھڑ رہا تھا۔ یہ اپنے خاندانی مفادات اور اپنے غیر ملکی آقا کی خوشنودی پر ایمان کی دولت نچھاور کرنے والے مرزا غلام قادیانی کی تیسری نسل تھی، جس کے دامن میں اس جہالت کے سوا کچھ نہیں تھا، جو اسے اپنے دادا سے ورثے میں ملی تھی۔ اپنے انگریز آقاؤں اور ان کے جانشین کے طور پر ابھرنے والے جاگیرداروں کی سرپرستی میں خرمستیوں کا زمانہ لد چکا تھا۔ امت مسلمہ کی ایک صدی کی جدوجہد، سینکڑوں جانوں کی قربانی اور اکابرین امت کے جسم و جاں کی آسائشوں کو تج کر اپنے آقا و مولاؐ کے باغیوں سے برسرپیکار ہونے کے بعد فتح و کامرانی کا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ غالب نے تو مجنوں کی تصویر میں عریانی کی بات کی ہے، مگر مرزا ناصر کے پرفریب وجود نے تاویلات کے پردے میں اپنے عقیدے کی پردہ پوشی کرتے کرتے عریانی کا وہ منظر دکھایا کہ رہے نام سائیں کا!

اٹارنی جنرل، مرزا محمود کی تحریر انوار خلافت کا اقتباس پڑھتے ہیں: ''انہوں نے خدا کی قدر کو نہیں سمجھا اور یہ سمجھ لیا کہ خدا کے خزانے ختم ہوگئے، اس لئے وہ کسی کو کچھ نہیں دے سکتا، اسی طرح یہ کہتے ہیں کہ زہد اور اتقاء کتنا ہی بڑھ جائے، پرہیزگاری اور تقویٰ کئی نبیوں سے آگے بڑھ جائے، خدا اس کو بھی نبی نہ بنائے گا، ورنہ ایک نبی کیا، میں کہتا ہوں ہزار نبی ہوں گے۔''

مرزا ناصر احمد: یہ کون ہے؟

اٹارنی جنرل: مرزا محمود انوار نے خلافت صفحہ ۶۲ اور ۶۵ میں لکھا ہے کہ ''وہ مخالفت سے ڈرتے ہیں، لیکن میری گردن کی دونوں طرف تلوار بھی رکھ دی جائے اور کہا جائے: تم کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں اسے جھوٹا کہوں گا، کذاب کہوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی آسکتے ہیں اور ضرور آئیں گے۔''

مرزا ناصر: حوالے درست ہیں، یہاں امکان کی بات ہے۔

اٹارنی جنرل: مرزا محمود یہ نہیں کہتا کہ آسکتا ہے، وہ کہتا ہے کہ آئیں گے۔

مرزا ناصر: منیر انکوائری میں بھی یہ سوال کیا گیا تھا، یہ امکان پر بحث ہے!

اٹارنی جنرل: امکان تو اس کا بھی کہ خدا صاحب شریعت نبی بھیج دے، وہ قادر تو ہے۔

مرزا ناصر: نہیں، یہ امکان بالکل نہیں۔

اٹارنی جنرل: آپ کہتے ہیں کہ صرف ایک مسیح موعود آئیں گے، وہ آچکے۔ مرزا محمود کہتے ہیں اور آئیں گے، کیا مرزا محمود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا علم نہیں تھا؟

مرزا ناصر: میں کہہ چکا ہوں۔

اٹارنی جنرل: آپ کہتے ہیں کہ مرزا کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا تو (خاکم بدہن) پھر مرزا کذاب ہی خاتم النبیین ہوگئے؟

مرزا ناصر: وہ آپؐ کے غلام ہیں۔

اٹارنی جنرل: جب بشارت صرف ایک نبی کی ہے اور وہ مرزا کذاب ہے تو خاتم النبیین مسیح موعود ہوگئے؟

مرزا ناصر: چھوڑیئے، مسیح موعود تو ہر ایک کا عقیدہ ہے کہ مسیح نازل ہوں گے!

مولانا شاہ احمد نورانی: خاتم النبیین کا مطلب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے نبی ہیں۔

اٹارنی جنرل: واضح ہوا کہ عیسیٰ پہلے کے نبی ہیں، مرزا تو بعد میں آئے، گویا مرزا ہی خاتم النبیین ہوئے؟

مرزا ناصر احمد: اسلام کے چار ارکان ہیں۔

چیئرمین: سوال کا جواب نہیں آیا!

اٹارنی جنرل: میں پوچھتا ہوں مرزا کے بعد کوئی اور نبی بھی ہیں، یہی آپ کا نقطہ نظر ہے؟

مرزا ناصر احمد: آپ بتانے والے ہے

پوچھیں، میں کیا بتا سکتا ہوں!

اٹارنی جنرل: میں آپ کا عقیدہ پوچھ رہا ہوں، امتی نبی مرزا پہلا اور آخری؟ آخری نبی حضور علیہ السلام؟

مرزا: آخری نبی حضور علیہ اسلام ہیں اور آخری امتی نبی مرزا؟

مرزا ناصر: وہ محمد رسول اللہ کے بعد نہیں تھے۔

یہ ۸راگست کی روداد ہے، آج پھر مرزا ناصر تھکن کا بہانہ کرتا ہے۔ اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار اگلے دن جمعہ ۹راگست کو اپنی مصروفیات بتاتے ہیں کہ انہیں ڈیفنس کالج میں لیکچر دینا ہے۔

میاں عطا اللہ: میں اٹارنی جنرل کو سلام کرتا ہوں، میری رائے ہے کہ کل سوال یہیں سے شروع کریں، جہاں آج سوال ختم ہوا ہے۔

چیئرمین: یہ اٹارنی جنرل پر چھوڑ دیں، کل اگر اٹارنی جنرل نہ آسکیں تو مولانا ظفر احمد انصاری اور وزیر قانون یہ ذمہ داری نبھائیں۔

حفیظ پیرزادہ: مجھے کئی امور کی دیکھ بھال کرنی ہے۔

سردار مولا بخش سومرو: اٹارنی جنرل صاحب! آج کی کارروائی کے لئے ہم سب آپ کے شکرگزار ہیں اور آپ تعریف وتحسین کے مستحق ہیں۔ چوہدری برکت اللہ، مولانا ظفر احمد انصاری یا پیرزادہ ٹھیک ہیں، مگر میرے خیال میں اٹارنی جنرل کا ہونا ضروری ہے۔

حفیظ پیرزادہ: معزز رکن کی بات میں وزن ہے، کل اگر اجلاس دس بجے شروع کریں تو اٹارنی جنرل آسکتے ہیں۔

۹راگست کو کلام مجید کی تلاوت سے اجلاس کا آغاز ہوا تو صاحبزادہ احمد رضا قصوری نے چیئرمین سے درخواست کی کہ اجلاس چند دن کے لئے ملتوی ہو تو کارروائی ارکان کو مہیا کی جائے تاکہ ہم تیاری کرسکیں۔

چیئرمین: انہی خطوط پر کام ہو رہا ہے، دو سو نقول تیار کرا رہے ہیں۔

محمد حنیف خان: میں یہ بات ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں کہ کمیٹی اب تک کسی تعصب کے بغیر کام کر رہی ہے، ہمارے ذہن صاف ہیں، گواہ کے بیان سے یا دوسرے گواہوں کے دلائل سے قائل ہونے نہ ہونے کے بارے میں ہمارے ذہن بالکل صاف ہیں۔

اٹارنی جنرل: کیا مرزا کذاب سے پہلے کوئی امتی نبی آیا اور بعد میں کوئی آئے گا؟

مرزا ناصر: آنے والے مسیح کے متعلق ہے، وہ نبی اللہ ہوگا، پوری امت انتظار کر رہی ہے۔ ہمارے نزدیک وہ آچکا مرزا غلام احمد کے وجود میں۔

اٹارنی جنرل: امت محمدیہ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بنائے گئے اب وہ بحیثیت امتی نبی آئیں گے؟

مرزا: میں اس کا اعلان کرتا ہوں کہ ہمارے نزدیک اب خدا تعالیٰ کے تمام انعامات کے سب دروازے اتباع محمد کے بعد بند ہوچکے۔

اٹارنی: سب دروازے بند ہوچکے، کیا اس بنیاد پر اور نبی آسکتے ہیں اور غلام احمد نبی تھے؟

مرزا ناصر: صرف غلام احمد ہی!

اٹارنی جنرل: کتاب ''دافع البلاء'' جو مرزا غلام احمد کی ہے، صفحہ گیارہ پر لکھا ہے کہ سچا وہی ہے، جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا، یہاں نبی بھیجنے کی بات ہے یا امتی نبی کی؟

مرزا ناصر: یہاں رسول کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اٹارنی جنرل: مرزا کا کتابچہ ہے ''ایک غلطی کا ازالہ'' اس میں لکھا ہے کہ بیت اللہ میں کھڑے ہوکر قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے اوپر نازل ہوئی ہے، وہ اسی خدا کا کلام ہے، جس نے حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا۔

مرزا ناصر: میں اس عبارت کی تصدیق کرتا ہوں۔

اٹارنی جنرل: تین کے بعد چوتھا، امتی نبی نہیں، بلکہ صاحب شریعت بلکہ ان تینوں جیسا، ان کے بعد چوتھا؟

مرزا ناصر: میری وحی شیطانی نہیں، بلکہ وحی الٰہی ہے، ان جیسی نہ کہ ان کے برابر، برابر کہیں تو ہم کافر سے بھی بڑھ کر کافر بن جاتے ہیں۔

اٹارنی جنرل: مرزا کا کہنا یہ ہے کہ یہ (وحی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ہے؟

مرزا ناصر: ویسی ہی ہے۔

اٹارنی جنرل: گویا یہ ایک مختلف وحی ہے، جو ایک نبی پر آئی؟

مرزا ناصر: چشمہ وحی ایک ہے، اگر وہ اللہ کا کلام ہے، اگر وہ اللہ کا کلام ہے تو فرق کرنا پڑے گا، بعض پاک ہیں، بعض کم پاک۔ میری عقل میں یہ بات نہیں آتی، اپنے پاک چشمہ کی وجہ سے ایک جیسی لیکن کیفیت میں فرق ہے۔

اس موقع پر صاحبزادہ فاروق علی خان کی عدم موجودگی میں پروفیسر غفور احمد اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔

اٹارنی جنرل: آپ کہتے ہیں بزرگوں کو وحی ہو سکتی ہے؟ کیا بزرگوں کی وحی میں خطا بھی ہوسکتی ہے؟

مرزا ناصر: ہوسکتی ہے!

اٹارنی جنرل: بزرگوں اور نبی کی وحی ایک جیسی نہ ہوئی، مرزا کی وحی نبیوں جیسی خطاؤں سے پاک، اللہ کے کلام قرآن، تورات اور انجیل کی طرح؟ نزول المسیح صفحہ ۹۹، روحانی خزائن صفحہ ۴۷۷، یہی عبارت ہے، ہاں یا ناں میں جواب دیں۔

مرزا ناصر: ہاں عبارت یہی ہے، دوسری

کتاب پڑھنے کی ضرورت نہیں!

اٹارنی جنرل: الفضل ۱۶؍جنوری ۱۹۵۲ء میں ہے کہ "نہ گزرنے دیجئے جب تک احمدیت کا رعب دشمن اس رنگ میں محسوس نہ کرے کہ اب احمدیت کو مٹایا نہیں جاسکتا، وہ مجبور ہو کر احمدیت کی آغوش میں آجائے؟" احمدیت کا دشمن کون ہے؟

مرزا ناصر: چیک کریں گے۔

اٹارنی جنرل: ۱۵؍جولائی ۱۹۵۲ء خونی ملا کے آخری دن، ان کے خون کا بدلہ لیں گے، جن کو شروع سے لے کر آج تک قتل کیا گیا۔ اب بدلہ لیا جائے گا مولانا ابوالحسنات، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا احتشام الحق اور پانچویں سوار مولانا مودودی سے۔

مرزا ناصر احمد: یہ بھی دیکھ لوں گا، خونی ملا کیا ہے!

اٹارنی جنرل: کیا آپ کے عقیدے کے مطابق انگریز کی اطاعت بھی اسلام کا حصہ ہے؟

مرزا ناصر: اگر غیر مسلم حکومت مذہب میں دخل نہ دے تو بغاوت اس کے خلاف درست نہیں۔

اٹارنی جنرل: مذہب میں دخل نہ دے، یعنی نماز، روزہ کی اجازت ہو؟

مرزا ناصر: جی بالکل۔

اٹارنی جنرل: آپ کے عقیدے میں مسلمانوں کو غلام بنالے اور نماز روزے کی اجازت دے، تب بھی اطاعت اسلام کا حصہ ہے؟

ناصر احمد: غلام کے معنی شہریت اختیار کرنا!

اٹارنی جنرل: شہریت نہیں، بلکہ آپ کے ملک پر باہر سے کوئی فاتح آئے، ملک پر قبضہ کرے، اس کے خلاف جدوجہد بغاوت ہے؟

مرزا ناصر: قانون کے اندر رہ کر جدوجہد کریں، تو بغاوت نہیں، اگر وہ فتنہ کریں، خون خرابہ ہو تو درست نہیں!

اٹارنی جنرل: قانون کی جدوجہد میں کسی مرحلے پر حکومتی اقدام مجبور کردے، جیسا راست اقدام کی کال قائداعظم نے دی؟

مرزا ناصر: قائداعظم کا راست اقدام؟

اٹارنی جنرل: جیسے گاندھی عدم تشدد کی بات کرتے تھے مگر جلیانوالہ میں جو کچھ ہوا؟

مرزا ناصر: میں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

اٹارنی جنرل: کانگریس نے ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک چلائی؟

مرزا ناصر: ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں، ہم نے پاکستان بنانے کی جدوجہد میں مسلم لیگ کا ساتھ دیا!

اٹارنی جنرل: پھر وہ گورداسپور باؤنڈری کمیشن، کشمیر کا قضیہ، اکھنڈ بھارت کا عقیدہ؟

مرزا ناصر: خاموش رہا، کوئی جواب نہ دے سکا۔

چیئرمین: اٹارنی جنرل کے سوال کا جواب نہیں دیا گیا۔

اٹارنی جنرل: آئینی کوشش ناممکن ہو اور مسلمان سمجھیں کہ دوسرے ذرائع کے بغیر آزادی ممکن نہیں؟

مرزا ناصر: قانون شکنی کرتے ہیں، جانیں لیتے ہیں، لوٹتے ہیں؟

اٹارنی جنرل: جانیں لینے کی بات نہیں کی، دفعہ 144، لاٹھی چارج وغیرہ۔

مرزا ناصر: حکومت مفلوج، آئینی طور پر میں ان کو قصوروار نہیں ٹھہراؤں گا۔

اٹارنی جنرل: بدیسی حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کی شرعاً اجازت ہے یا اطاعت فرض ہے؟

مرزا ناصر: میرا دماغ کہتا ہے کہ ان کو آئین کے ذریعے .... بات ادھوری چھوڑ دی۔

اٹارنی جنرل: کیا یہ سمجھوں کہ آپ اس کا جواب نہیں دے رہے؟

مرزا ناصر: خاموش رہا۔ (جاری ہے)

دس نیک خصلتیں

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ کتے میں دس خصلتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ہر مومن کو اپنے میں پیدا کرنی چاہئیں:

۱:...... یہ کہ اکثر بھوکا رہتا ہے اور یہ شیوہ صالحین کا ہے۔

۲:...... اس کا کوئی خاص مکان نہیں ہوتا' یہ اہل توکل کی نشانی ہے۔

۳:...... یہ رات کو بہت ہی کم سوتا ہے' یہ محبین کی صفت ہے۔

۴:...... یہ جس وقت مرجاتا ہے اس کا کچھ ورثہ نہیں ہوتا، یہ صفت زاہد لوگوں کی ہے۔

۵:...... یہ اپنے مالک کو نہیں چھوڑتا اگرچہ وہ اس پر ظلم کرے یا ستائے۔ یہ صفت صادق مردوں کی ہے۔

۶:...... یہ تھوڑی سی جگہ پر خوش ہو جاتا ہے اور صبر کر لیتا ہے، یہ صفت متواضعین کی ہے۔

۷:...... جب اس کی جگہ پر اور کوئی قابض ہو جاتا ہے تو وہ اسے چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے' یہ علامت متواضعین کی ہے۔

۸:...... جب اسے کوئی مارے یا نکالے تو چلا جاتا ہے۔ یہ علامت خاشعین کی ہے۔

۹:...... جس وقت کھانا سامنے رکھا ہو تو وہ دور بیٹھا دیکھتا ہے۔ یہ علامت مساکین کی ہے۔

۱۰:...... جس جگہ کو چھوڑ دیتا ہے اسے پھر کبھی نہیں دیکھتا یہ علامت غمزدوں کی ہے۔

(قاری عبدالکریم میلسی)

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کے

تبلیغی و دعوتی اسفار!

گزشتہ سے پیوستہ

ادارہ

جامعہ علوم شرعیہ جھنگ میں میٹنگ میں شرکت:

۱۵ اکتوبر بعد نماز ظہر جامعہ علوم شرعیہ میں جھنگ صدر کے علماء کرام اور کارکنان مجلس کا اجلاس مولانا سید صدوق حسین شاہ کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں پچاس کے قریب علماء کرام اور کارکنان مجلس نے شرکت کی۔ اجلاس میں مولانا محمد اقبال شیروانی کو مقامی مجلس کا ناظم بنایا گیا۔ جھنگ صدر سیٹلائٹ ٹاؤن اور جھنگ سٹی کے لئے علیحدہ علیحدہ کمیٹیاں تشکیل دی گئیں، جو اپنے اپنے علاقوں کے علماء کرام کا اجلاس بلاکر کانفرنس میں قافلہ کی صورت میں شرکت کریں گے۔ اجلاس میں شیخ الحدیث مولانا عبدالرحیم، مولانا عمر دراز، مولانا محمد اقبال شیروانی، قاری ابوبکر مدنی، مولانا غلام حسین، قاری خلیل احمد اور شیخ مقبول احمد سمیت کئی ایک حضرات نے شرکت کی۔

جامعہ عبیدیہ فیصل آباد:

بعد نماز مغرب منعقدہ مجلس ذکر میں شرکت کی اور پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا سید جاوید حسین شاہ صاحب سے ملاقات کی اور انہیں کانفرنس کی تیاریوں کی رپورٹ پیش کی، حضرت والا نے رفقاء کو کانفرنس میں شرکت کی تلقین کی۔ ۱۶ اکتوبر کی صبح جامعہ عبیدیہ میں راقم کا خطاب ہوا، جس میں حضرت والا کے مریدین کو کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔

قاری محمد الیاس مدظلہ سے ملاقات:

جامعہ مدینۃ العلم فیصل آباد کے بانی مولانا قاری محمد الیاس مدظلہ سے خصوصی ملاقات کی۔ ان کے جانشین مولانا قاری محمد نواس، شیخ الحدیث مولانا خالد محمود مدنی سے ملاقات ہوئی اور کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی، موصوف نے شرکت کا وعدہ کیا۔ قاری ڈاکٹر محمد صولت نواز زید مجدہ سے بھی ملاقات کی اور انہیں کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی۔ انہوں نے قبول فرمائی اور شرکت بھی کی۔

خطبہ جمعہ شاہی مسجد پنڈی بھٹیاں:

سالہا سال سے بندہ کا ایک جمعہ شاہی مسجد میں ہوتا ہے۔ مولانا محمد عارف شاہی مبلغ گوجرانوالہ نے کمیٹی کے صدر حاجی محمد اسلام سے رابطہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت ہمارے ایمان کی جان ہے۔ مولانا شجاع آبادی کی تشریف آوری اور بیان سے خوشی ہوگی، چنانچہ راقم نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت پر پون گھنٹہ خطاب کیا۔

سکھیکی میں نماز عصر:

۲۱ ذوالحجہ جمعۃ المبارک کے دن عصر کی نماز قاری ظفر اقبال کی دعوت پر سکھیکی ضلع حافظ آباد کی مسجد میں ادا کی، قاری ظفر اقبال اٹک میں مجلس کے زیر اہتمام جامع مسجد ختم نبوت کے خطیب رہے، آج کل سکھیکی میں قیام پذیر ہیں۔ موصوف نے احباب کو عصرانہ دیا، بندہ نے بھی شرکت کی۔

جامع مسجد گنبد والی فاروق آباد:

جامع مسجد گنبد والی اہل حق کا مرکز رہی ہے، مولانا طاہر نوید نوجوان عالم دین اور مفتی ہیں۔ ان کے ہاں بھی ہر سال ایک جمعہ ہوتا ہے، رواں سال جمعہ تو نہ ہوسکا، البتہ ۲۱ ذوالحجہ ۱۷ اکتوبر بعد نماز مغرب درس ہوا۔ موصوف سے پہلے مولانا حاجی محمد اسلم خطیب رہے ہیں جو مقامی یونٹ کے ناظم اعلیٰ رہے۔

مولانا محمد یعقوب ربانی کی عیادت:

موصوف ہمارے امیر مرکزیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی دامت برکاتہم کے تعلیم کے زمانہ کے ساتھی ہیں، جامعہ اسلامیہ کے نام سے فاروق آباد میں مدرسہ قائم کیا۔ آج کل صاحب فراش ہیں۔ ان کے فرزندان گرامی مولانا محمود ربانی، مولانا مسعود ربانی ہمارے جامعہ ختم نبوت چناب نگر سے کورس کر کے گئے ہیں، مولانا ربانی سے دعائیں لیں اور لاہور کے لئے موٹروے روانہ ہوگئے اور رات کا قیام مجلس کے مرکز جامع مسجد عائشہ مسلم ٹاؤن میں رہا۔

حافظ زبیر احمد ظہیر سے ملاقات:

۱۸ اکتوبر قبل از نماز ظہر جمعیت اہل حدیث کے مرکزی نائب امیر مولانا حافظ زبیر احمد ظہیر سے ملاقات کی اور انہیں چناب نگر کانفرنس میں شرکت کی یاددہانی کرائی۔ موصوف کافی دیر ماضی کی یادیں تازہ کرتے رہے۔ مولانا عبدالنعیم رحمانی سلمہ کی معیت حاصل رہی۔ حافظ صاحب نے ۱۹۷۴ء اور ۱۹۸۴ء کی تحریکوں میں جاندار کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، ختم نبوت کے پروگراموں میں سعادت سمجھ کر شرکت فرماتے ہیں۔

مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ سے ملاقات:

مخدوم مکرم حضرت مولانا اللہ وسایا، مولانا عزیز الرحمٰن ثانی کی معیت میں حافظ محمد ریاض درانی کے مکان پر ۱۹ اکتوبر قبل از نماز ظہر ملاقات کی اور انہیں چناب نگر ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کی یاددہانی کرائی۔ مولانا نے فرمایا: انشاء اللہ العزیز!

۲۴؍اکتوبر کوکوئٹہ سے لاہور یا اسلام آباد جو فلائٹ بھی ملی، شرکت ہوگی۔ مولانا اللہ وسایا مدظلہ نے قائد جمعیت کی خدمت میں اپنی کتاب ''ایک ہفتہ شیخ الہند کے دیس میں'' میں پیش کی۔ مولانا نے ورق گردانی کر کے مولانا اللہ وسایا کو کلمات تحسین سے نوازا۔

فقیہ ملت سیمینار میں شرکت:

شیخ الہند اکیڈمی نے ابو حنیفہ دوراں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی یاد میں ایوان اقبال لاہور میں ''فقیہ ملت سیمینار'' رکھا، جس کی تین نشستیں ہوئیں۔ راقم کو بھی سیمینار میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا ڈاکٹر عبدالحکیم اکبری ڈیرہ اسماعیل خان نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کا پیغام پڑھ کر سنایا۔ جمعیت علماء ہند کے رہنما مولانا سید محمود مدنی دامت برکاتہم کا پیغام پروجیکٹر پر دکھایا اور سنایا گیا۔ جامعہ مدنیہ جدید لاہور کے مہتمم مولانا سید محمود میاں مدظلہ نے حضرت گنگوہیؒ کو خراج تحسین پیش کیا۔ حضرت اقدس سید نفیس الحسینیؒ کا کلام جو حضرت گنگوہیؒ کے مزار پر لکھا گیا تھا، مولانا شاہد عمران عارفی نے اپنی خوبصورت آواز میں پڑھ کر سنایا۔ مولانا اللہ وسایا نے تحریک ختم نبوت میں حضرت گنگوہیؒ کے کردار پر روشنی ڈالی اور ان کے بعد ان کے روحانی فرزندان کی خدمات کو بیان کیا اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن کی ختم نبوت کے سلسلہ میں خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا۔

تیسری نشست بعد نماز عصر منعقد ہوئی، تلاوت کی سعادت مولانا شاہد عمران عارفی اور منظوم خراج عقیدت مولانا سید سلمان گیلانی نے پیش کیا۔ آخری خطاب قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ کا ہوا جو مغرب کی نماز تک جاری رہا۔

مسجد اقصیٰ فتح گڑھ لاہور میں ختم نبوت کانفرنس سے خطاب:

۱۹؍اکتوبر بعد نماز مغرب مولانا محمد حنیف سومرو نے مسجد اقصیٰ میں ختم نبوت کانفرنس کا اعلان کیا ہوا تھا۔ شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا مدظلہ نے خطاب فرمانا تھا، لیکن چناب نگر کانفرنس کی مصروفیات کی وجہ سے ان کی نیابت کا فریضہ راقم نے سرانجام دیا۔ کانفرنس تلاوت ونعت کے بعد آٹھ بجے تک جاری رہی۔ راقم الحروف کا تفصیلی بیان ہوا۔

کامونکی گوجرانوالہ میں:

مفکر اسلام مولانا مفتی محمودؒ کی یاد میں ختم نبوت اور خلافت راشدہ سیمینار منعقد ہوا، جس میں دیگر مقررین کے علاوہ مولانا مفتی کفایت اللہ ہزاروی اور راقم الحروف نے خطاب کیا۔ سیمینار کا اہتمام جمعیت علماء اسلام نے کیا تھا۔ داعی حافظ محمد نعیم قادری تھے، رات کا قیام گوجرانوالہ دفتر میں رہا۔ ۲۰؍اکتوبر صبح کا درس جامع مسجد ختم نبوت ہاشمی کالونی میں ہوا۔

مرکزی مبلغین کا اجلاس:

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی مبلغین کا اجلاس ۲۵؍اکتوبر قبل از ظہر مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں تمام مبلغین نے شرکت کی۔ اجلاس میں کانفرنس کی کامیابی پر اللہ پاک کا شکر اور مقررین وخطباء اور شرکاء کانفرنس کا شکریہ ادا کیا گیا۔ انتظامات سے متعلق آئندہ کانفرنس کے لئے تجاویز منظور کی گئیں اور انتظامات کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے تجاویز رجسٹر میں درج کی گئیں۔ آئندہ سہ ماہی کے لئے احتساب قادیانیت کی ۴۲ویں جلد مطالعہ اور تلخیص کے لئے متعین کی گئی۔ آئندہ میٹنگ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ کی آخری جمعرات، جمعہ کو ہوگی۔ میٹنگ سے فراغت کے بعد تمام مبلغین اپنے اپنے گھروں اور حلقہ جات کی طرف روانہ ہوگئے۔

راقم السطور نے مولانا فقیر اللہ اختر، مولانا محمد قاسم رحمانی، مولانا تجمل حسین کی معیت میں ملتان کا سفر کیا۔ ☆☆☆

مدینے کو میری نظر ڈھونڈتی ہے

اقبال صفی پوری

ادھر ڈھنڈتی ہے اُدھر ڈھونڈتی ہے
مدینے کو میری نظر ڈھونڈتی ہے

جہاں گم ہیں روح الامیں کے ترانے
مری روح وہ رہگزر ڈھونڈتی ہے

صداقت کو صدیقؓ کی ہے تمنا
عدالت مزاج عمرؓ ڈھونڈتی ہے

حیا ہے اِدھر روئے عثمانؓ پہ صدقے
علیؓ کو شجاعت اُدھر ڈھونڈتی ہے

یہ جی چاہتا ہے وہیں اُڑ کے پہنچوں
تمنا مری بال و پَر ڈھونڈتی ہے

بلائیں گے اقبال اک دن وہ در پر
جنہیں مدتوں سے نظر ڈھونڈتی ہے

REGD. SS.160

قادیانیت کے خلاف امت مسلمہ کے فتاوی جات کا مجموعہ

فتاویٰ ختمِ نبوت

۳ جلدیں

تحقیق وتخریج شدہ جدید ایڈیشن

ترتیب: حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہیدؒ

زیرِ نگرانی: مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ مدظلہ

تمام مکاتب فکر کے علماء کرام ومفتیان عظام کے وہ فتاویٰ جو انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کے کافر، مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے سے متعلق دیئے ہیں تحقیق وتخریج کے بعد انہیں یکجا شائع کیا گیا ہے۔

- ختم نبوت کے محاذ پر کام کرنے والے حضرات ومبلغین کے لئے معین ومددگار
- لائبریریوں اور دارالافتاؤں کے لئے بیش بہا علمی خزانہ
- عمدہ کاغذ، جاذب نظر سرورق
- علماء وطلباء اور کارکنان ختم نبوت کے لئے خصوصی رعایت

صرف =/1000 روپے علاوہ ڈاک خرچ

اسٹاکسٹ: مکتبہ لدھیانوی ۱۸ اسلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن، کراچی

021-34130020, 0321-2115595, 0321-2115590

شائع کردہ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ۔ کراچی

021-32780337, 021-34234476